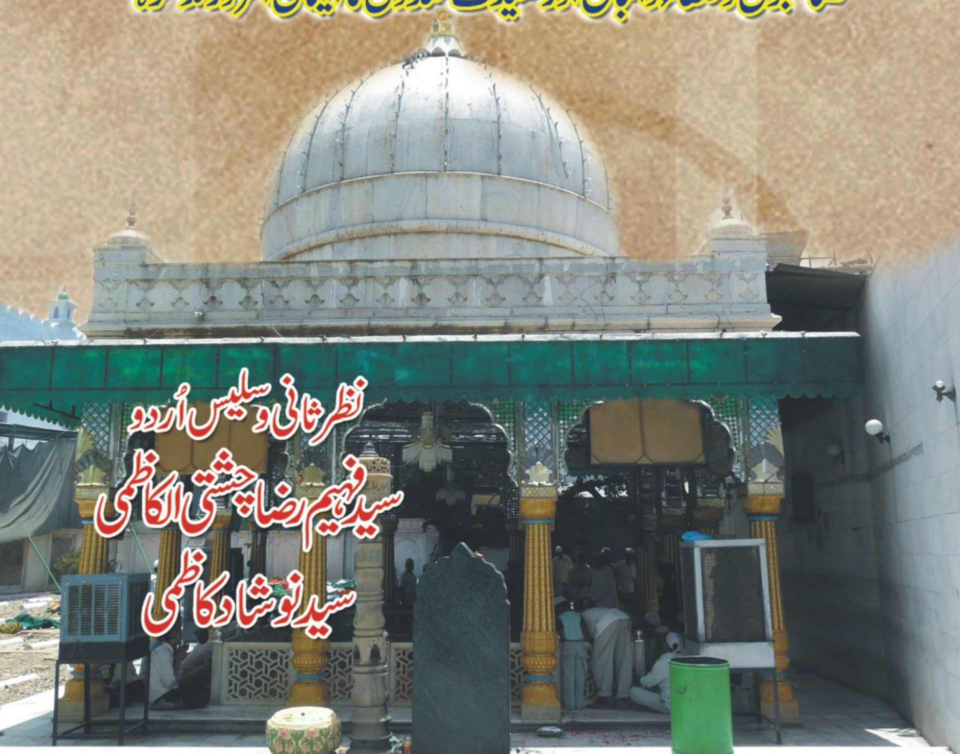
اے شہنشاہِ ولایت خواجہءِ ہندالولی
یک نگاہِ گاہے گاہے از طفیلِ پنجتنؑ

روضۃ الاقطاب

صاحبزادہ سید محمد بلاق شاہؒ

(ہمشیر زادہ حضرت خواجہ سید محمد نظام الدین اولیاءؒ)

قطب الاقطاب حضرت خواجہ سید قطب الدین بختیار کاکیؒ کے
مصاحبوں وخلفاء واتباع اور عقیدت مندوں کا ایمان افروز تذکرہ



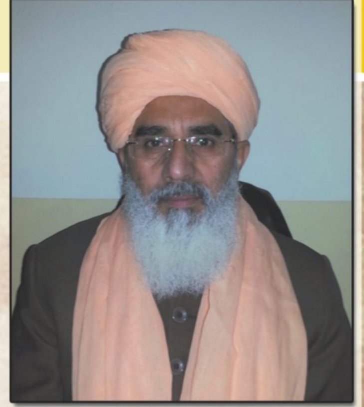
نظرثانی وسلیس اُردو
سید فہیم رضا چشتی الکاظمی
سید نوشاد کاظمی

روضۃ الاقطاب

صاحبزادہ سید محمد بلاق شاہؒ
(ہمشیر زادہ حضرت خواجہ سید محمد نظام الدین اولیاءؒ)



کلماتِ تحسین



بزرگان دین تین خصوصاً بزرگان سلسلہ عالیہ چشتیہ کے سوانح، ملفوظات اور تصانیف کا ایک وسیع زخیرہ ہر دور میں تشنگان علم و ادب (یہاں لفظ ''ادب'' اپنے بھرپور تناظر میں پیش نظر رہے) کے لئے سامان تسکین رہا ہے۔ بزرگوں کے ان نقوش کو جب جب اور جس جس نے جہاں جہاں محفوظ کیا ہے، یقیناً اُس نے اپنے لیے نہ صرف سامانِ آخرت میں اضافہ کیا ہے بلکہ ان بزرگان دین کی برکت سے اپنا نام رہتی دنیا تک زندہ رکھنے کا سامان کیا ہے۔



محبی سید فہیم رضا کاظمی ان خوش نصیب اور نیک اطوار لوگوں میں نمایاں ہیں جنہوں نے حضور غریب نواز اجمیری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے عقیدت کے ہر تحریری مواد کو دور حاضر کے قاری تک پہنچانا زندگی کا نصب العین بنا رکھا ہے خدا شکر خورے کو شکر عطا فرماتا ہے چنانچہ خوش نصیبی سے حال ہی میں ''روضۃ الاقطاب'' کا ایک نایاب اور قدیم اُردو نسخہ ان کے ہاتھ آگیا۔ اصل کتاب فارسی میں ہے جس کے مصنف حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بھانجے سید محمد بلاق رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

کتاب کا موضوع حضرت قطب الاقطاب خواجہ سید قطب الدین بختیار کاکیؒ اور ان کے متوسلین ہیں۔

الحمد اللہ یہ نایاب کتاب سید فہیم رضا کاظمی صاحب کے رواں اور محبت بھرے اسلوب میں جدید اُردو کا آہنگ پاکر قارئین کرام کے مطالعہ میں آرہی ہے جو صاحبان دل اور اولیائے چشت سے محبت وعقیدت رکھنے والوں کے لئے انشاء اللہ العزیز اُس عہد کے کچھ نئے گوشے منور کرے گی۔ اللہ کریم کاظمی صاحب کی مساعی اور دیگر تمام احباب کے تعاون کو شرف قبولیت بخشے۔



فقیر دیوان سید آل حبیب علیخاں چشتی الکاظمی
سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت خواجہ غریب نواز اجمیریؒ

روضۃ الاقطاب

صاحبزادہ سید محمد بلاق شاہؒ
(ہمشیرزادہ حضرت خواجہ سید محمد نظام الدین اولیاءؒ)

نظرِثانی و سلیس اُردو

سید فہیم رضا چشتی الکاظمی،
سید نوشاد کاظمی

ناشر: تھذیب انٹر نیشنل پبلیکیشنز
بہاولپور، لاہور، اسلام آباد، کراچی
0300-8881856, 0333-4076188
باشتراک: باقر پبلیکیشنز لاہور
0300-8073510

مصنف کتاب سید محمد بلاق (ہمشیرہ زادہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ)

۱۔اشاعت اول (فارسی) ناشر: لالہ چرنجی لال ہندوستان۔

۲۔اشاعت دوئم (فارسی) ناشر: جگن ناتھ مطبع "محب ہند" فیض بازار دہلی ہندوستان۔

۳۔اشاعت سوئم (اردو) ناشر: جگن ناتھ مطبع "محب ہند" فیض بازار دہلی 1309 ہجری ہندوستان۔

۴۔اشاعت چہارم (اردو) ناشر: ڈاکٹر فہیم کاظمی ستمبر 2015 پاکستان۔

۵۔پیش کش سلطان الہند خواجہ غریب نوازؒ فاؤنڈیشن

نظر ثانی، آسان اردو میں تبدیلی و عنوان بندی

سید فہیم رضا چشتی الکاظمی سید نوشاد کاظمی

کمپوزنگ: سید نوشاد کاظمی، محمد یونس عطاری

ٹائٹل: محمد یونس عطاری

زیر اہتمام: جگنو انٹرنیشنل لاہور

خصوصی تعاون: شفیق مراد چیف ایگزیکٹو شریف اکیڈمی جرمنی

صفحات: 212

تعداد: 1100

ہدیہ: 500

منگوانے کا پتہ: شمع بک ایجنسی نیو اردو بازار کراچی

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

سلطان الہند خواجہ غریب نوازؒ فاؤنڈیشن

0300-8383592

انتساب

خواجہ خواجگان سلطان الہند

حضور خواجہ غریب نواز سیدنا معین الدین

حسن سنجری چشتی اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سے منسوب کرتے ہیں

سید فہیم رضا چشتی الکاظمی

﴿باب اول﴾

﴿باب دوئم﴾

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مصنف

خداوند کریم اللہ جل جلالہٗ کے ہزار ہا شکر کا مقام ہے کہ جس ذات مطلق نے نوع انسانی میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی بے پایاں عظمت رکھنے والی ہستی کا ظہور فرمایا اور انہیںؐ اپنی خلافت اور نیابت سے سرفراز فرمایا۔ دین و دنیا کا معلم اعظم بنا کر نبوت سے مبعوث فرمایا اور جن کی نبوت کے نور کی ضیاء پاشیوں سے کل روئے زمین کی مخلوقات کو کفر کی تاریکیوں اور شرک کے اندھے غاروں سے نکالا اور پھر تا قیامت اپنی حفاظت میں لے لیا .... ذات الٰہی نے جیسا رفعت و عظمت کا مقام حضورؐ کو عطا فرمایا، اس سے نوع انسانی ایک ایسے باسعادت مقام پر فائز المرام ہوئی کہ جس کا تصور بھی دوسری مخلوق کے لیے محال ہے۔

وہ چہ ذات شریف انسان است
غیر او نیست ہر چہ ہست آنست
مشت خاکست آدمی لیکن
زیر اس خاک گنج پنہا نست

ترجمہ:

ایسی باعظمت اور لامحدود بزرگی رکھنے والی ذات انسانی (حضورؐ) ہمارے لیے آئینہ خداوندی ہیں۔

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔

جس نے اپنے آپ کو پہچانا، اس نے رب کو پہچانا، میں پوشیدہ اشارہ یہی ظاہر کرتا ہے کہ حضورؐ ذات مطلق کا پرتو ہی تو ہیں۔

سید محمد بلاق

ہمشیر زادہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ

آبروئے ما زنامِ مصطفیٰ است (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

سخنان چند

ہندوستان کی سرزمین کو اللہ کے مقرب بندوں نے اپنا مسکن بنایا۔ یہ اُن اولیاء کرامؒ کی مساعی جمیلہ کا ثمر ہے کہ آج برصغیر پاک و ہند میں ایک ارب کے قریب مسلمان آباد ہیں۔۔گزشتہ ایک ہزار برس میں اولیائے کرامؒ کی برصغیر میں آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ اُن بابرکت ہستیوں کی فہرست بہت طویل ہے لیکن شاید آج تک کسی نے ان کی تعداد کو یکجا نہیں کیا ہے۔ برصغیر میں تشریف لانے والے ان بزرگوں کی اولادوں میں سے بھی بے شمار مقرب بارگاہ الٰہی ہستیاں پیدا ہوئیں ....جن کا تفصیلی احوال قلمبند کرنے کے لیے تحقیق کی ضرورت ہے۔ جس کی آج کے مادّی میں اشد ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ اولیائے کرام ہی ہیں جنہوں نے بنی نوع انسان کو دین اسلام کے باطنی پہلوؤں سے روشناس کروایا۔ یہ وہی باطنی پہلو ہے، جو دین کا جوہر اور، مذہب کی روح ہے۔ اسی جوہر سے آشنائی کے بعد آدمی انسان بن کر خدا شناسی کے قابل ہوتا ہے۔ کلمہ گو، گو کہ مسلمان ہے، لیکن خدا شناسی اور، حق آگاہی ہر ایک کے نصیب میں نہیں ہوتی۔ صرف مقربان خاص کو خدا اس نعمت عظیم سے نوازتا ہے۔ اولیائے کرام ہی وہ ہستیاں ہیں، جنہوں نے صدق دل سے نورِ نبوت سے ارتباط حاصل کر کے تعلیمات نبویؐ کی تفہیم حاصل کی۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً چندرہ سو سال گزرنے کے باوجود تصوف میں کسی قسم کے فرقے یا گروپ بندی کا شائبہ تک پیدا نہ ہو سکا۔ دراصل اولیائے کرام کی طرز فکر اور طرز تفہیم حاصل کیے بغیر

تعلیمات الٰہی کو سمجھنا ناممکن ہے۔آج صاحبانِ علم اس حقیقت کا ادراک کر چکے ہیں کہ صرف اہل باطن صوفیائے کرام کا انداز فکر اور تعلیمات ہی دنیا کو بقا کی بنیادیں فراہم کرسکتی ہیں۔اس کے علاوہ نوع انسانی کا وضع کردہ کوئی نظام حکمت نسل آدم کے لیے راہنما نہیں بن سکتا۔زیرِنظر کتاب جو آج سے سینکڑوں برس قبل حضرت سید خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ اور ان کے مصاحبوں،عقیدت مندوں اور دوست واحباب سے عقیدت کے اظہار میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے بھانجا حقیقی صاحبزادہ سید محمد بلاقؒ نے فارسی زُبان میں لکھی تھی۔ اگر چہ امتداد زمانہ کی نذر ہو کر برصغیر پاک وہند میں ناپید ہو گئی لیکن اس کتاب سے اولیائے کرام کے انداز فکر، طرز ادراک،صبر وقناعت اور توکل الٰہی کے عملی واقعات ہم تک پہنچ گئے علاوہ ازیں اسی کتاب کے فیضان سے سینکڑوں سال قبل کے برصغیر کے تہذیبی، تمدنی حالات، بود وباش،طرز زندگی، دہلی کے کلچر وثقافت سے بھی آشکار ہوئے۔اگر ہم تحقیق کریں تو بزرگان دین کے حوالے سے ایسی بہت سی کتب کا سراغ مل سکتا ہے، جو اب ناپید ہو چکی ہوں۔حقیقت یہ ہے کہ ایسی کُتب کی صورت میں ہمارے پاس ایک بہت قیمتی اثاثہ موجود تھا،لیکن افسوس کہ ہم اس کی حفاظت کما حقہ نہیں کرپائے۔

کتاب ''روضتہ الاقطاب'' جو آخری بار مطبع ہند فیض بازار دہلی سے جگن ناتھ نے 1309ہجری میں اصل فارسی متن سے اردو میں ترجمہ کروا کے شائع کروائی تھی،کے نسخہ جات زمانے کی دست برد سے معدوم ہو گئے تھے۔ تصوف اور روحانیت کی آبیاری کرنے والی ایسی کتب تو ہمارا سرمایہ ہیں اور ان کی حفاظت بھی ہمارا فرض ہے لیکن یہ ایک افسوسناک امر ہے کہ ہم آباء کے اس سرمایہ کی حفاظت نہ کر سکے۔یہ فقیر مکتب روحانیت کا طالب علم ہے اور تصوف اس کا اوڑھنا بچھونا ہے۔یہ اپنی علمی و روحانی پیاس بجھانے کے لئے ایسی ہستیوں سے اکتساب کا طالب رہتا ہے۔یہ طلب ایک جنون اور بے چینی لئے ہوئے ہے۔

محترم جناب میاں فضل فرید لالیکا آف بہاولنگر کی محبتوں اور عنایتوں کے لئے سپاس گزار ہوں جنہوں نے ذاتی دلچسپی لیتے ہوئے یہ احسان فرمایا کہ اپنی کوششوں سے یہ نسخہ دہلی سے

حاصل کر کے فقیر کی روحانی پیاس بجھانے کا بندوبست کیا۔ان کی اس کرم فرمائی نے فقیر کی دیرینہ خواہش کی تکمیل کو آسان بنایا۔

الحمدللہ پاکستان میں پہلی بار اس کتاب کی اُردو اشاعت کا شرف تہذیب انٹرنیشنل پبلیکیشنز کو حاصل ہو رہا ہے۔اصل دستیاب ہونے والا نسخہ جو فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا گیا تھا اس میں قدیم اردو زبان کے متروک اور غیر مانوس الفاظ کی بھرمار تھی۔محترم برادرم سید نوشاد کاظمی آف مظفر آباد آزاد کشمیر کا بے حد شکر گزار ہوں جنہوں نے ترجمہ کو سادہ اور آسان اُردو میں ڈھالنے کے لئے فقیر کے ساتھ بھرپور تعاون فرمایا۔

محترم جناب گلزار جاوید راولپنڈی، محترم جناب کرنل سید مقبول حسین حرف اکیڈمی روالپنڈی، محترم انعام جناب میجر احمد نواز، محترم انعام جناب میجر اسد محمود خان ریجنل آئی ایس پی آر ملتان، محترم انعام جناب میجر سید اسد اشتیاق کاظمی، محترمہ ایم زیڈ کنول چیف ایگزیکٹیو جگنو انٹرنیشنل، محترم جناب شفیق مراد چیف ایگزیکٹیو شریف اکیڈمی جرمنی، محترم جناب سید حسن عباس کاظمی آف روالپنڈی، محترم اعجاز کاظمی، جناب سلیم بخاری و دیگر احباب سخن کی محبتوں کا مقروض ہوں۔جن کی حوصلہ افزائی مشعل راہ رہی۔یہ کتاب محققین اور تصوف سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے انشاءاللہ مفید ثابت ہوگی۔فقیر کے حق میں بخشش اور نجات اخروی کی دعا فرمایئے گا۔کیا عجب کہ یہ کتاب ذات مطلق کے ہاں ہماری بخشش کا ذریعہ بن جائے۔فقیر اپنے تمام کرم فرماؤں، دوست واحباب کا شکر گزار ہے جنہوں نے اس کتاب کی طباعت میں دامے، درمے، سخنے تعاون فرمایا۔

فقیر درگاہ معلّٰی خواجۂ خواجگان سلطان الہند
حضور سید معین الدین چشتی اجمیریؒ خواجہ غریب نوازؒ
سید فہیم رضا چشتی الکاظمی عفی عنہ
(اولاد خواجہ غریب نوازؒ) 7 فروری 2015
Email:syedfaheemkazmi@gmail.com
0300-3738564

''حرف آغاز''

پوری تاریخ انسانی کے کسی بھی دور میں بھی انسانی ذہن یہ نہیں جان سکا کہ زندگی کیا ہے؟ کائنات کیا ہے؟ اور ہمارے جذبات، احساسات، محسوسات، حواس اور شعور وغیرہ فی الواقع کیا ہیں؟..................دنیا کا ہر فرد شعوری ایجنسی کو ہی استعمال میں لا کر علوم اور مشاہدات کی دنیا سے گزرتا ہے۔لیکن اس حقیقت سے کوئی وقوف حاصل نہ کر سکا کہ ہم جس ایجنسی کے ذریعے جذبات، احساسات، محسوسات اور مشاہدات کی دنیا میں محو سفر ہیں، ان محسوسات، احساسات اور مشاہدات کی حیثیت کیا ہے؟ اور ہمارے مشاہدات، محسوسات جو ہمارے ادراک میں آتے ہیں، کیا حقیقی ہیں؟اس موضوع پر ابتدائے آفرینش سے تا ایں دم جو کچھ بیان کیا گیا ہے، اس میں بے شمار جھول ہیں۔ان گنت سوالات ہیں، ....جن کا کسی کے پاس کوئی جواب نہیں ....اگر ہم اس موضوع کی گہرائی میں اتریں..........تو اب تک وجود میں آنے والے جملہ علوم کی حیثیت مشکوک ہو جاتی ہے۔ان علوم کو کسی بھی طرح حقیقی علوم نہیں کہا جا سکتا۔سب کچھ مفروضہ یعنی فکشن ہے..........جو چیز ہے ہی فکشن، فکشن ادراک (شعور) کی تخلیق کردہ ہے،تو پھر ہم کیسے معلوم اور دریافت علوم کو حقیقی کہہ سکتے ہیں..................یہ بات بھی برملا کہی جا سکتی ہے کہ اگر کسی سائنسدان، کسی مفکر کو کھربوں سال کی زندگی مل جائے اور وہ مسلسل غور و فکر کے سمندر میں غوطہ زن رہے تو پھر بھی اس کا ادراک یا شعور کسی چیز کی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر پائے گا۔کیونکہ اس کے تجسس کے پیمانے اور ادراک کرنے والی ایجنسی کے بارے میں یہ تعین ہی نہیں کیا گیا کہ ادراک کرنے والی ایجنسی کی کیا حیثیت ہے؟..................

یعنی ہم ادراک کرنے والی ایجنسی کی چھان پھٹک کر کے جب تک اس کو پرکھ نہیں سکتے، اس کی حیثیت کا تعین نہیں کرتے، تو اس کی موزونیت اور خوبی و بہتری کی بنیاد پر درجہ بندی بھی نہیں ہو سکتی۔ نتیجتاً حقیقی علوم اور مشاہدات کا کوئی روزن ہم پر نہیں کھل پائے گا .... حیران کن امر یہ ہے کہ ادراک کرنے والی ایجنسی کو پرکھنے کی کوئی بنیاد، کوئی سانچا ڈھالا ہی نہیں گیا اور ادراک کرنے والی ایجنسی کی حیثیت اور اس کی حساسیت کو پرکھے بغیر، جانے بغیر ادراک کرنے کے لیے کھلے میدان میں چھوڑ دیا گیا اور اس بات پر توجہ نہیں دی گئی کہ ادراک کرنے والی ایجنسی میں کمی یا خامی کیا ہے؟ اور ایجنسی کے محسوساتی اجزاء حقیقی ہیں یا غیر حقیقی؟ نیز یہ کہ ایجنسی کے حواس کی حیثیت کیا ہے؟ .... ان باتوں اور حقیقتوں پر کبھی توجہ نہیں دی گئی .... ادراک کرنے والی ایجنسی اور اس کے حواس کی صحت کی تشخیص کئے بغیر اسے تحقیق اور محسوسات و مشاہدات کے کھلاڑے میں ہانک دیا گیا۔ جہاں جا کر اس ادراک کی ایجنسی یا شعور نے جو کچھ آشکار ا یا دریافت کیا اسے آج کے دور میں سائنسی علوم اور سائنس کے مختلف شاخوں کے نام سے جانا جا رہا ہے، لیکن مقام افسوس ہے کہ یہ نہیں جانا جا رہا اور نہ جاننے کی کوشش کی جارہی ہے کہ دریافت شدہ یا آشکارا شدہ علوم کیا حتمی اور فیصلہ کن حیثیت و مقام رکھتے ہیں؟ .... صاف ظاہر ہے کہ نہیں .... اس لیے کہ ان علوم کو دریافت کرنے والے ادراک کی حیثیت ہی مشکوک ہے، مبہم ہے، غیر واضح ہے، غیر حقیقی ہے، تو پھر ادراک کی یہ ایجنسی کائنات اور محسوساتی دنیا کے غیر معلوم شدہ علاقے سے جو کچھ حاصل کرے گی اس کی حیثیت بھی مشکوک رہے گی .... اگر ہم اس نکتہ کو سمجھ لیں تو پھر ہم پر یہ واضح ہو جائے گا کہ دنیا میں فکری، نظریاتی اور عقیدوں کے لحاظ سے گروپ بندیاں و حد بندیاں کیوں ہیں؟ چونکہ ناقص ادراک کی ایجنسی کے ذریعے جو کچھ محسوسات کے دائرے میں آ کر منصۂ شہود پر آئے گا، وہ ان گنت تضادات، اختلافات اور مفروضات سے بھرا ہوا ہوگا۔ ایسا، ادراک کے ناقص پیمانہ کی وجہ سے ہوگا۔ اب چونکہ ناقص ایجنسی کے ذریعے جو کچھ حاصل کیا جائے گا اور جن فلسفوں، سائنسی اور دیگر نوع کے علوم کی داغ بیل پڑے گی وہ سب کچھ ناقص ہوگا۔ اس ہی وجہ سے

الہامی طرز تفہیم میں انسان کے مفروضہ علوم کے ذریعہ اخذ شدہ نتائج اور فلسفوں کو مسترد کر دیا جاتا ہے.................. یہ ہے وہ نکتہ اور وہ حقیقت کہ جس کی وجہ سے دنیا میں فکر و نظر اور مختلف علمی شعبوں کے مابین ابعاد و تضادات جنم لیتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں ہر دائرۂ فکر کی گروپ بندی تشکیل پا جاتی ہے، اور ہر دائرۂ فکر کے نزدیک دوسرا دائرۂ فکر ناقص قرار پاتا ہے اور نوعِ انسانی بے یقینی کے تلخ ترین عذاب میں سسکنے لگتی ہے.................. اگر کسی طرح ادراک کرنے والی ایجنسی کے محسوسات اور حواس کے نقائص کو دور کیا جا سکے تو پھر علم کے مختلف شعبوں اور شاخوں میں ایسا ارتباط قائم ہو سکتا ہے کہ یہ سب شاخیں ایک دوسرے کو تسلیم کر کے، ایک دوسرے کی تائید کریں گی۔ ایسا ہونے کی صورت میں تمام مذاہب اور تمام انسانوں کے سامنے ایک ایسی بساط آ جائے گی، جس میں وہ سب اپنے آپ کو ایک آفاقی لڑی میں پرویا ہوا محسوس کریں گے۔ اس مرحلے میں دنیا کے تمام معاشرے پرامن ہو جائیں گے۔ ملکوں اور قوموں کے مابین صدیوں سے جاری جنگوں اور بے حساب قسم کی فکری و نظریاتی محاذ آرائیوں کا خاتمہ ہو جائے گا.................. لیکن یہ سوال ہنوز موجود ہے کہ ادراک کرنے والی ایجنسی کی چھان پھٹک آخر کون کرے گا؟ اور کیا کبھی کسی نے قبل ازیں ایسی کوشش کی ہے؟.................. اس کا جواب اثبات میں ہے۔ یہ کوشش صوفیا کرام نے کی ہے۔ ہر اس صوفی نے کی جس پر ادراک و محسوسات کا نیا روزن آشکارا ہوا، خواہ اس کا تعلق کسی بھی مذہب، کسی بھی طریق یا کسی بھی فکری اسلوب سے رہا ہو۔ ان صوفیا کرام کی ادراک کرنے والی ایجنسی میں ان کے پیش روؤں نے چھان پھٹک کر کے مطلوبہ تصحیح کر دی.................. یوں یہ بات کھلے بندوں کہی جا سکتی ہے کہ پیغمبروں کے علوم کے وارثین صوفیاء یا اہل باطن کے سوا کسی مکتبہ فکر نے ادراک کرنے والی ایجنسی کو پرکھنے کی کوشش نہیں کی.................. وہ حلقے جو کسی الہامی طرز فکر پر یقین نہیں رکھتے وہ بھی ان سطور میں اٹھائے گئے نکات کا قطعی کوئی جواب نہیں دے پائیں گے۔ ان کا ادراک بھی پہلے زینے سے اوپر اٹھ کر نامعلوم علاقے میں کہیں گم ہو جاتا ہے اور وہ حیران و ششدر رہ جاتے ہیں۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ ہمارے ادراک یعنی محسوسات کی ایجنسی ناقص ہے۔ اگر ہم اس محسوساتی

ایجنسی کا یہ نقص دور نہیں کریں گے تو حقیقی ادراک اور علم کی گرد تک بھی نہیں پہنچ پائیں گے، اور نہ ہمارے لیے الہامی طرز فکر کی حقیقی و درست تفہیم کرنا ممکن ہوگی۔ ان صوفیاء کرام نے دنیا کے مختلف براعظموں میں تبلیغ کے ذریعے نوع انسانی میں ایسی حقیقی فکر و ادراک بیدار کرنے کی کوشش کی کہ جس سے گہرے آفاقی حقائق انسان پر آشکار ہو سکیں۔ ان صوفیائے کرام کے آستانوں پر ہر مذہب اور ہر مکتبہ فکر کے لوگوں نے پناہ لی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں ان کا پورا ایک سلسلہ تسلسل سے قائم رہا ہے..................نوع انسانی کو حقیقی نقائص سے پاک ادراک و فکر کی بنیاد صرف صوفیائے کرام ہی مہیا کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ حقائق کی دنیا تک رسائی کا دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔

زیر نظر کتاب جناب سید محمد بلاقؒ نے لکھی ہے، جو حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے بھانجے ہیں۔ یہ کتاب آخری بار 1309 ہجری دہلی میں طبع ہوئی اور آج ہندوستان و پاکستان میں یہ نایاب ہے۔ الحمد اللہ راقم کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ راقم نے اس کو سادہ اور آسان اردو میں ڈھال کر مرتب کیا جائے۔ میرے نزدیک مجھے کتابیں لکھنے اور ترتیب دینے کی سعادت حضور مرشد کریم (حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی) کی شاگردی میں آنے کی وجہ سے ہوئی۔ جنہوں نے پل پل میرے شعور کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بدلا اور اس قابل بنایا کہ میں دو حرف لکھنے کے قابل ہوا ہوں۔ میں محترم برادر جناب ڈاکٹر سید فہیم رضا چشتی الکاظمی صاحب کا انتہائی مشکور و ممنون ہوں، جنہوں نے مجھے اس کتاب کو آسان اردو میں منتقل کرنے کا اہل سمجھا۔ اللہ انہیں دنیا و آخرت میں سرخرو فرمائے۔

قارئین کرام سے حضور اباجی (حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی) کی درازی عمر اور صحت کاملہ کی عاجزانہ درخواست ہے۔

نہیں فقیری جھلیاں مارن ستیاں لوک جگاون ہُو
نہیں فقیری وہندیاں سکیاں پا لنگاون ہُو
نہیں فقیری وچ ہوا دے مصلّے پا ٹھہراون ہُو
فقیری نام تنہاں دا باہو دل وچ دوست ٹکاون ہُو

سید نوشاد کاظمی اپریل 2015
مظفر آباد۔آزاد کشمیر

راہِ سلوک کا مسافر....ڈاکٹر فہیم رضا چشتی الکاظمی....

تصوف اور روحانیت لازم وملزوم ہیں۔تصوف کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی انسانیت کی۔جب جب انسانی قدریں پامال ہوئیں،کوئی صوفی،کوئی ولی اللہ،کوئی اوتار،کوئی صاحبِ طریقت وصاحبِ شریعت،ان قدروں کو بچانے کے لئے نجات دہندہ بن کے آ گیا۔ان کا مذہب بھی انسانیت اور سوچ وفکر بھی ہر قسم کے تعصب سے عاری تھی۔یہی وجہ تھی کہ ہر مذہب اور ملت کے لوگ ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوتے اور چشمۂ فیض سے سیراب ہوتے۔عام پسے ہوئے،استحصال زدہ لوگ تو ایک طرف بڑے بڑے بادشاہ بھی ان کے آستانے پر سر جھکاتے رہے اور کسبِ فیض حاصل کرتے رہے۔یہی وجہ ہے کہ اسلام صحرائے عرب سے نکل کر سرزمینِ ہندوستان تک کو اپنی روشن کرنوں کے ہالے میں لے کر ظلمتوں کو سبق سکھانے لگا۔خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو ان آستانوں سے لو لگائے ہوئے ہیں۔ڈاکٹر فہیم رضا کاظمی بھی انہی خوش نصیبوں میں سے ایک ہیں۔آج کے نفسا نفسی،بیگانگی،اور خود غرض معاشرے میں وہ ان بزرگانِ دین کے راستے کو اپنا کر محبت، خلوص،امن اور علمیت کی مشعل تھام کر ظلمتوں سے برسرِ پیکار ہیں۔اس نوجوانی کی عمر میں،آج کے بگڑے معاشرے میں وہ تصوف و روحانیت کی عبا پہنے اپنی جستجوئے شوق اور جنون کو مہمیز دینے میں مصروفِ عمل ہیں۔ذاتی زندگی سے لے کر معاشرتی زندگی تک تو یہ جذبۂ جنون تھا ہی انہوں نے ادبی زندگی کو بھی اسی کے لئے وقف کر دیا ہے۔شاعری ہو یا نثر وہ تصوف و روحانیت کا شہ پارہ ہے۔مدحِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وآلِ محمد صلی اللہ علیہ و

آلہ سلم ان کی شاعری کا مرغوب موضوع ہے۔اقبالیات میں پی ایچ ڈی ہیں۔غزل کہنے پر عبور حاصل ہے لیکن طبیعت اس طرف مائل ہوتی ہی نہیں۔کسقدر خوش نصیبی کی بات ہے کہ اہلبیتؑ کی محبت انہیں اپنے حصار سے نکلنے ہی نہیں دیتی۔سید زادہ کا قلم اُٹھتا ہے تو اپنے بزرگوں سے محبت کا قرض چکانے کے لئے۔یہ سعادت ہر کسی کے نصیب میں نہیں۔روضۃ الاقطاب اُن کے ذوقِ تحقیق پر پڑاؤ کی دوسری منزل ہے۔اس سے قبل "سلطان الہند" جیسی معرکہ آرا تصنیف کے ذریعے اپنی صلاحیتوں کا اعتراف کروا چکے ہیں۔دلچسپ بات یہ ہے ڈاکٹر سید فہیم رضا چشتی نے ساگرِ تصوف میں اترنے کے لیے سب سے پہلے جس موج کا انتخاب کیا وہ حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری قدس اللہ سرہ جیسی جید ہستی ہیں جنہوں نے سرزمینِ ہندوستان پر اسلام کا بول بالا کیا۔ان کے مریدین کا کوئی حساب نہیں۔۔حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ بھی اسی ساگر سے وابستہ موج ہے۔کتاب راحت المحبین کے مطابق حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا دستور و معمول تھا کہ ہر روز بائیس آدمی مرید کرتے تھے اور اس گروہ کو نصیحت فرماتے تھے کہ اپنا دامن بادشاہوں اور اہل دولت سے بچاتے رہو۔اگر دنیا کی ہوس و طلبگاروں سے اپنا دامن نہ بچا پائے تو سیدھے راستے اور راہنمائی سے محروم رہو گے۔آپؒ کی ذات گرامی کی برکت اور فیض تھا کہ آپؒ جس کو جس بات کی تاکید فرماتے وہ اس پر عمل کرتا تھا(راحت المحبین)

..................کتاب "دلیل العارفین" کے مطابق جب حضرت خواجہ سید قطب الدین بختیار کاکیؒ بغداد سے دہلی تشریف لائے تو سلطان شمس الدین التمش آپؒ کے دہلی میں قدم رنجہ فرمانے پر سجدہ شکر بجالایا اور آپؒ سے درخواست کی کہ آپ شہر میں جا کر التمش کے فراہم کردہ مقام پر ٹھہریں، لیکن آپؒ نے مصلحت الٰہی سلطان التمش کی اس پیشکش کو قبول نہیں فرمایا اور دلی شہر کے مضافاتی علاقہ "موضع کیلو کھڑی" میں قیام فرمایا۔یہاں پانی وافر مقدار میں موجود تھا۔آپؒ کچھ عرصہ اس مقام پر ٹھہرے رہے۔آپؒ کی شہرت کا چرچا دہلی کے علاوہ ہندوستان کے دیگر علاقوں تک پھیل چکا تھا۔آپؒ کی دہلی تشریف آوری کی خبر سن کر "شیخ الاسلام دہلی مولانا جمال الدین احمد بسطامی" (جن کی ملفوظات

پیرانِ چشت میں جابجاتعریف وتوصیف بیان ہوئی ہے)حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی ملاقات کے لیے حاضر ہوئے اور پہلی ہی ملاقات میں آپؒ کے معتقد ہوگئے ۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے شیخ الاسلام پر الفت فرمائی ۔دہلی کی رہائش گاہ سے آپؒ کے گھر کا فاصلہ پانچ کوس کی مسافت پر تھا،لیکن اس کے باوجود بادشاہ ہفتہ میں دو بارہ آپؒ کی خدمت میں حاضری دیتا۔

آپ کی کرامات کے بوصف آپکو کاکی کہا جاتا تھا محمد بولاق" کاکی" کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں۔

"جب حضرت خواجہ سید قطب الدین بختیار کاکیؒ کے گھر میں فقر وفاقہ کا دور تھا۔ایک بار تین دن مسلسل فاقے لگے تو حضرت خواجہ سید قطب الدین بختیار کاکیؒ کے گھر کی کسی بی بی نے شرف الدین بقال (سبزی فروش/ دوکاندار) کی بی بی سے قرض لے لیا(اکثر بوقت اشد ضرورت شرف الدین کے گھر سے قرض لے لیا جاتا تھا)۔ایک دن قرض لینے کے موقع پر شرف الدین بقال کی بیوی نے متکبرانہ انداز میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی بیوی سے کہا۔"اگر ہم تمہارے پڑوس میں نہ رہتے تو تم لوگ پھر کہاں سے کھاتے؟؟"

جب یہ بات حضرت خواجہ سید قطب الدین بختیار کاکیؒ تک پہنچی تو آپؒ نے اپنی بیوی صاحبہ کو ان لوگوں سے قرض لینے سے کلیتاً منع کر دیا اور اپنے کمرہ میں موجود ایک طاق کے طرف اشارہ کر کے فرمایا۔

"جس وقت آپ کو کوئی چیز ضرورت ہو تو بسم اللہ شریف پڑھ کر حسب ضرورت طاق میں ہاتھ ڈال کر لے لیا کرو"۔

اس دن کے بعد آپؒ کی اہلیہ محترمہ جس وقت طاق میں ہاتھ ڈالتیں تو کاک(روٹی) گرم پاتیں اور بہت عرصہ تک آپؒ کے گھر کی ضرورتیں اس طاق سے پوری ہوتی رہیں

۔علاوہ ازیں" کتاب سیر الاولیاء" میں مذکور ہے کہ

آپؒ کے مصلے کے نیچے سے وافر مقدار میں کاک(روٹیاں) نکلتے تھے۔اس وجہ سے بھی

آپؒ کوکا کی کہا جانے لگا۔"

ایک دن حضرت امیر خسرو حضرت سلطان المشائخ حضرت سید محمد نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت پانے پر آپؒ سے عرض کیا۔"حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو" کا کی" کس وجہ سے کہتے ہیں؟"سلطان المشائخ نے فرمایا۔

"حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اکثر حوضِ شمسی پر بیٹھے غور وفکر میں ڈوبے رہتے تھے ....ایک دن ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور آپؒ کے احباب و دوستوں نے آپؒ سے عرض کیا:"خواجہ صاحب! ایسی ٹھنڈی ہوا میں اگر گرم کاک (روٹی) مل جاتے تو کتنا ہی اچھا ہو"۔آپؒ نے استفسار کیا۔ "اس کا کیا کرو گے؟"عرض کیا گیا: "کام میں لائیں گے"(یعنی کھائیں گے)

پس حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اٹھ کر تالاب کے پاس گئے اور پانی سے گرم کاک (روٹیاں) نکال کر دوستوں کے حوالے کیں۔اس دن کے بعد دوستوں اور احباب نے آپؒ کو" کا کی" کہنا شروع کر دیا۔(کتاب افضل الفوائد)

ان بزرگوں کے احوال ومعجزنمائی پر جو کتب مرتب ہوئیں افسوس کا مقام ہے کہ وہ زمانے کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکیں۔اس ساگر تک وہی پہنچ سکتا ہے جو تہہ تک اُترنے کے ہنر سے آشنا ہو۔اس ہنر سے آشنا اور موجِ طریقت تک پہنچنے کے رموز سے آشنا سلسلہ چشتیہ ہی کے پیش رو محمد بولاق ہمشیر زادہ خواجہ نظام الدین اولیاء"جو مغل بادشاہ محی الدین محمد اورنگزیب عالمگیر کے مقرب اور منظورِ نظر تھے "نے اس کتاب میں قطب الاسلام حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس اللہ سرہٗ کا احوال اور ان بزرگان کا احوال ہے، جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار شریف کے قرب و جوار میں محو استراحت ہیں۔اس نسبت سے اس کتاب کا نام محترم "محمد بلاق" نے "روضۃ الاقطاب" رکھا۔

نام تاریخ این نجۂ کتاب

وہ چہ زیباست روضہ اقطاب

محترم محمد بولاق نے اول اول اس بحرِ غواص سے موتی چننے کی سعی میں سلسلہ چشتیہ کے

بزرگوں کے احوال پر مشتمل گہر ریزے اس طور سمیٹے، اس میں تصوف کے نگینوں کی لڑیاں اس طرح پروئیں کہ اس شجرہ عالیہ کا آغاز اگر چہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے کیا ہے۔لیکن اس کے بعد اپنا شجرہ جو رسولِ خدا سے شروع ہو کر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی پر منتج ہے، بھی رقم کیا ہے۔انہوں نے یہ تصوف پارہ فارسی زبان میں تالیف کیا، اس کی اشاعت اول اور دوم فارسی میں تھی، اشاعت اول کے ناشر، لالہ چرنجی لال ہندوستان تھے جبکہ اشاعت دوم کے ناشر: جگن ناتھ مطبع "محب ہند" بغیض بازار دہلی ہندوستان تھے۔اشاعتِ سوم اردو میں آخری بار 1309 ہجری دہلی میں طبع ہوئی اور آج ہندوستان و پاکستان میں نایاب ہے۔اس کی اشاعت کی بابت جگن ناتھ یوں رقم طراز ہیں۔

"قبل ازیں یہ کتاب دو مرتبہ فارسی زبان میں طباعت ہوئی۔لالہ چرنجی لال مرحوم (مالک چھاپہ خانہ) نے بڑی تحقیق اور تفتیش سے اس کتاب کو حاصل کر کے خصوصی اہتمام سے چھپوایا۔لالہ چرنجی لال (مرحوم) بزرگان دین اور اولیائے کرام سے بڑی عقیدت رکھتے تھے اور انہیں ہمیشہ اولیائے کرام کی کتب دیکھنے، چھاپنے چھپوانے کا شوق رہا ہے۔لالہ چرنجی لال (مرحوم) کے بعد دوسری بار اس کمترین (جگن ناتھ) نے اس کتاب کو دوسری مرتبہ طباعت کروایا، لیکن اس اشاعت کے بعد جلد ہی اندازہ ہوا کہ فارسی زبان کے قارئین مسلسل کم ہو رہے ہیں اور شائقین زبانِ اردو کی تعداد بڑھ رہی ہے۔چنانچہ راقم مجبور ہوا کہ اس کتاب کو اردو میں ترجمہ کروا کے چھپوائے .... اس طرح اس دُرِ نایاب کا با محاورہ اردو ترجمہ کروا کر اس پر نظر ثانی کی گئی اور پھر تیسری بار یہ کتاب اردو زبان میں شائع ہوئی تا کہ ہر خاص و عام اور اردو دان طبقہ بھی اس سے مستفید ہو سکے۔"

جگن ناتھ نے جو کوشش کی وہ اس زمانے کے تشنگانِ علم ہی کے لئے تھی کیونکہ وقت گزرنے کے ساتھ اردو زبان نے بہت ہی تدریجی منازل طے کیں۔1309 ہجری میں لکھی جانے والی اردو بہت ثقیل، مشکل اور غیر مانوس ہیں۔اس زمانے میں بولے جانے والے بیشتر الفاظ متروک ہو چکے ہیں لہٰذا وہ آج کے زمانے میں قابلِ فہم نہیں۔ مبارکباد کے مستحق

ہیں سید فہیم رضا چشتی اور سعادتوں کے اس سفر پر ان کی ہمراہی کی سعادت حاصل کرنے والے، سید نوشاد کاظمی جنھوں نے اس نافہم کو قابلِ فہم بنانے کی سعی میں اس بحرِ ذخار میں غواصی کا شرف حاصل کرنے کے لئے حضرت خواجہ بختیار کاکی کے احوال، ان کے انتہائی باریک بینی سے مطالعہ کیا اور نظرِ ثانی کے بعد اسے آسان فہم اور مروجہ زبان کی خلعت ہی عطا نہیں کی بلکہ یہ کتاب جو پرانے وقتوں کی اردو کی نمائندہ تھی تھا اسے آج کے زمانے کی عام فہم اردو کا پیرہن عطا کر کے جدید اردو کے قالب میں ڈھالا۔ زیرِ نظر کتاب میں حضرت سید خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے شجرۂ نسب سے لے کر اُن نے بچپن کے احوال، اُن کی ہندوستان آمد اور دہلی میں قیام، دہلی کا شیخ الاسلام اور اس کینہ پرور شیخ الاسلام کی سازش اور انجام شیخ جلال الدین تبریزی کا احوال او ارشاداتِ عالیہ جیسے موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

راہِ سلوک کے مسافر سید فہیم رضا چشتی الکاظمی مزید مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے پاکستان کی سرزمین کو اس سعادت سے آشنا کیا اور مزید یہ کہ یہ سعادت بھی تہذیب پبلی کیشنز کو حاصل ہوئی جس کے مینجنگ ڈائریکٹر بھی سیدزادہ سید فہیم رضا چشتی الکاظمی ہیں یوں انہوں نے سیادت و سعادت کی معراج تک جو رسائی حاصل کی ہے، مولا پاک اسے ان کے لئے توشۂ آخرت بنا دے۔ آمین!

ایم زیڈ کنول، چیف ایگزیکٹو، جگنو انٹرنیشنل، لاہور۔
ایڈیٹر، احساس۔۔۔ جرمنی

تصوف کا چراغ۔۔۔ڈاکٹر فہیم رضا چشتی الکاظمی

پاک وہند ہمیشہ سے تصوف کا گہوارا ہے۔صوفیاء نے تبلیغ کے لئے اسی سرزمین کا انتخاب کیا۔انھوں نے دینِ حق کے لئے جو مساعی کیں یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان میں آج بھی آستانہ اجمیر شریف مرجع خاص و عام ہے۔اس طرح پاکستان میں بھی لاہور سے لے کر ملتان اور بہاولپور تک بزرگوں کے مسکن ہیں۔ایک نوجوان جو نہ صرف دنیوی علوم میں دسترس رکھتا ہے۔اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے بلکہ سلسلۂ چشتیہ کے چراغوں کو جلائے بیٹھا ہے۔یہ نوجوان ڈاکٹر فہیم رضا کاظمی ہے۔جس کا اوڑھنا بچھونا یہی ہے۔2013 میں اس نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی سوانح "سلطان الہند" لکھی جو اتنی مقبول ہوئی کہ ایک سال میں ہی اس کے دو ایڈیشن شائع ہو کر مقبولیت کی معراج پا چکے ہیں اور اب تیسرا ایڈیشن زیرِ طبع ہے۔صاحب زادے کو ان روحانی علوم پر اتنا عبور ہے کہ کم ہی کوئی اس مرتبے تک پہنچتا ہے۔صرف لکھنا لکھانا نہیں بلکہ ان کی گفتگو کا مرکز بھی یہی علوم ہیں۔سید زادہ صاحب تصوف شاعر،ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر علم الانساب بھی ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ آج کل بڑے بڑے شجرہ نسب نکالنے میں غلطی کا ارتکاب کر جاتے ہیں لیکن ڈاکٹر فہیم رضا کاظمی سے جب بھی گفتگو ہوئی اس نوجوان نے مجھے نہ صرف متاثر کیا بلکہ حیرت میں ڈال دیا کہ شجرہ نسب کے سب رموز ان کو اس طرح ازبر ہیں کہ شاید ہی میری زندگی میں کوئی ایسا صاحبِ علم گزرا ہو۔اب اس نوجوان نے ۔روضۃ الاقطاب کے نام سے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی ذاتِ گرامی کو موضوع بنایا ہے جو سیّد حسینی ہیں اور ان کے نسب کا سلسلہ امیر المومنین امام حسین بن علی تک پہنچتا ہے۔سید زادہ اقبالیات میں پی ایچ ڈی ہے اس لئے تحقیق پر عبور حاصل ہے۔زیرِ نظر کتاب جو آخری بار 1309 میں ہندوستان سے شائع ہوئی اور اس کا نسخہ بھی دستیاب نہیں تھا اسے آسان اور سلیس اردو

میں ڈھال کر تصوف کے طالب علموں کو ایک تحفہ دیا ہے۔ یہ کتاب پہلی بار پاکستان سے تہذیب انٹرنیشنل پبلیکیشنز کے زیرِ اہتمام شائع ہو رہی ہے جس کے چیئرمین بھی سید زادہ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ کریم ان کی اس کاوش کو قبولیت کی سند عطا فرمائے۔ آمین

پیر سید ناصر الدین چشتی الہاشمی الحسنی الحسینی چیف آف سادات نقوی ہندوستان

سجادہ نشین، آستانہ عالیہ، جھالرہ شریف، اجمیر شریف، راجستھان

اولیاء اللہ کی تعلیمات راہِ نجات...

امتِ مسلمہ جس قدر تفرقوں اور مسالک کی بحث و تمحیص میں آج مبتلا ہے اُس کا سبب دینِ حق سے گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔ وہی دینِ حق جو محمود و ایاز کی تفریق مٹاتا ہے، وہی دینِ حق جو گورے کو کالے اور کالے کو گورے پر فوقیت نہیں دیتا اور وہی دینِ حق جو قدم قدم پر مساوات کا درس دیتا ہے۔ اختلافِ نظر اور اختلافِ رائے ہمارے اسلاف بھی رکھتے تھے مگر تحمل، تدبّر اور تفکّر کے ساتھ۔ آج مگر یہ تمام اوصافِ حسنہ وقت کی گرد میں گُم ہو چکے ہیں۔ سبب صرف ایک ہے، ہم اپنے دینی عقائد اور اعمال میں توازن قائم نہیں کر پا رہے۔ اخلاقی زوال کے اس دورِ پُر آشوب سے نکلنے کا فقط ایک راستہ ہے، اپنے اصل کی طرف لوٹنا، اپنے باطن کو کثافت سے پاک کرنا، اللہ رب کریم اور اُس کے محبوب کے منتخب کردہ راستے پر صدقِ دل سے عمل کرنا۔ راہِ حیات کے اس سفر میں ہمارے لیے رشد و ہدایت بھی لازمی ہے۔

زیرِ نظر کتاب حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے حقیقی بھانجے صاحبزادہ سید محمد بولاقؒ نے آج سے کئی سو برس قبل تحریر فرمائی تھی جس میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ، اُن کے مصاحبوں، عقیدت مندوں اور دوستوں کا احوال بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب سے اولیاء کے اندازِ فکر، طرزِ ادراک، صبر و قناعت اور توکل الٰہی کے عملی واقعات ہم

تک پہنچنے کے ساتھ برصغیر کے تہذیبی، تمدنی حالات، بود وباش، طرزِ زندگی اور مسلمانوں کے سماجی وثقافتی حالات بھی آشکار ہوتے ہیں۔ یہ ایک بہت قیمتی اثاثہ ہے جسے فارسی متن سے اردو میں ترجمہ کر کے آپ کی توجہ کے لیے شائع کیا جارہا ہے۔

گلزار جاوید (راولپنڈی)

اللہ تبارک وتعالیٰ کی منتخب ہستیاں...

انبیائے کرام علیہم السلام کی دنیا میں آمد کا سلسلہ تو نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے ساتھ ختم ہوگیا لیکن مشاہدہ میں آیا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے بعض کو اپنا پیغام اور نبی پاک سید لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو عام کرنے لئے منتخب فرمالیتا ہے۔ یہ وہ خاص بندے ہوتے ہیں جو اپنی مرضی کو رب کی مرضی کے تابع کر کے اپنے قول وفعل سے اہل دنیا کو محبوب حقیقی کی جانب مقناطیس سے زیادہ قوت سے کھینچتے ہیں۔ یقیناً یہی اولیاءاللہ ہیں۔ اولیاءاللہ کا عمل بھی بظاہر ان کی ظاہری زندگی کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن ان کا قول کبھی ان کے مکتوبات، کبھی ملفوظات اور کبھی ان کی تصانیف کے ذریعہ تا دیر تا دیر قائم رہتا ہے۔ بلکہ محسوس یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دور کے اولیائے کرام کا نام اور کام رہتی دنیا تک قائم رکھنے کے لئے مختلف طریقہ عمل میں لاتا رہتا ہے چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ کبھی ان اللہ والوں کی تحریر کے مختلف زبانوں میں تراجم کیے جاتے ہیں کبھی ان کی کتب پر حواشی اور تعلیمات کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ کبھی ان کی کتب کی شرح کی جاتی ہے

اور کبھی قدیم اور متروک الفاظ کی تحریر کو عصر حاضر سے مطابقت قائم کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے "روضۃ الاقطاب" بھی اس نوع کی کتاب ہے جو عہد حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ میں آپ کے بھانجے سید محمد بلاق نے فارسی زبان میں تحریر فرمائی کتاب کا موضوع حضرت قطب الاقطاب خواجہ سید قطب الدین بختیار کا کیؒ اور ان کے متوسلین ومتعلقین ہیں۔ 1309ھ میں اصل فارسی متن کے ساتھ اُردو ترجمہ کی گئی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ نہ صرف کتاب نایاب ہوئی، اُس کا قدیم اُردو ترجمہ بھی آج کے قاری

کے لئے ناپید اور نامانوس ہوگیا۔

مکرمی سید فہیم رضا کاظمی صاحب، سید نوشاد کاظمی اور تہذیب انٹرنیشنل پبلیکیشنز کی مساعی اور ذوق ایک بار پھر اس گمشدہ خزانے کو نئے روپ میں قارئین کے سامنے لا رہے ہیں۔ یہ دونوں ہی نہیں ان کی علمی، ادبی اور مذہبی خدمت کے لئے ان کے تمام معاونین قابل صد مبارکباد ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر سید آل ظہیر انس (راولپنڈی)

ڈاکٹر احمد علی اعظمی برقی دہلی...

روضۃ الاقطاب ہے ان صوفیا کا تذکرہ
جن کی تعلیمات ہیں لوگوں کی روحانی غذا

اہل صفہ سے تصوف کا ملا ہے سلسلہ
جن سے کسب فیض کرتے ہیں سبھی شاہ و گدا

دے رہے ہیں اب فہیم کاظمی ترتیب اسے
جن کی ہے تالیف اقصائے جہاں میں حق نما

ہیں مصنف فارسی میں اس کے وہ سید بلاقؒ
جن کا تھا حضرت نظام الدینؒ سے بھی سابقہ

جامہ ء اُردو دیا ہے فارسی کے متن کو
ہے فہیم کاظمی کا خو بصورت ترجمہ

اہل عرفان کے لئے ہے ایک تحفہ یہ کتاب
کیا عجب یہ کہہ اٹھیں وہ مرحبا صد مرحبا

اس میں ہیں گمنام ولیوں کے بھی برقی تذکرے
سالکوں کے تھے جو اپنے دور میں عقدہ کشا

سبب تالیف وتصنیف

صاحبزادہ محمد بولاق جوحضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے بھانجے تھے، نے یہ کتاب پہلی مرتبہ فارسی میں تصنیف فرمائی۔ محترم ''محمد بلاق'' مغل بادشاہ محی الدین محمد اورنگزیب عالمگیر کے مقرب اور منظورِ نظر تھے..................اس کتاب میں قطب الاسلام حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ قدس اللہ سرہٗ کا احوال اور ان بزرگان کا احوال ہے، جوحضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار شریف کے قرب و جوار میں محو استراحت ہیں۔ اس نسبت سے اس کتاب کا نام محترم ''محمد بلاق'' نے ''روضۃ الاقطاب'' رکھا۔

نام تاریخ این نجۂ کتاب
وہ چہ زیباست روضہ اقطاب

قبل ازیں یہ کتاب دو مرتبہ فارسی زبان میں طباعت ہوئی۔ لالہ چرنجی لال مرحوم (مالک چھاپہ خانہ) نے بڑی تحقیق اور تفتیش سے اس کتاب کو حاصلکر کے خصوصی اہتمام سے چھپوایا۔ لالہ چرنجی لال (مرحوم) بزرگان دین اور اولیائے کرام سے بڑی عقیدت رکھتے تھے اور انہیں ہمیشہ اولیائے کرام کی کتب دیکھنے، چھاپنے چھپوانے کا شوق رہا ہے۔

لالہ چرنجی لال (مرحوم) کے بعد دوسری بار اس کمترین (جگن ناتھ) نے اس کتاب کو دوسری مرتبہ طباعت کروایا، لیکن اس اشاعت کے بعد جلد ہی اندازہ ہوا کہ فارسی زبان کے قارئین مسلسل کم ہو رہے ہیں اور شائقین زبانِ اردو کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ چنانچہ راقم مجبور ہوا کہ اس کتاب کو اردو میں ترجمہ کروا کے چھپوائے .... اس طرح اس دُرنایاب کا با محاورہ اردو ترجمہ کروا کر اس پر نظر ثانی کی گئی اور پھر تیسری بار یہ کتاب اردو زبان میں شائع ہوئی تا کہ ہر خاص وعام اور اردو دان طبقہ بھی اس سے مستفید ہو سکے۔

یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے۔

۱۔ پہلا باب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ کے حسب و نسب پیدائش و مکتب اور بیعت و ارادت کے احوال پر مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں اس باب میں آپؒ کا ملک ہندوستان میں آنا، دہلی میں مقیم ہونا، اس مقدمہ کی تشریح جو شیخ جلال الدین تبریزی اور شیخ نجم الدین صغری کے درمیان ہوا تھا۔

۲۔ دوسرے باب میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ کے تصرفات کشف و کرامات اور توضیح و توجیہات کا بیان ہے۔

۳۔ تیسرے باب میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ کی عبادت و ریاضت، مجاہدہ و عبادات، فقر و قناعت اور توکل و اطاعت کا تذکرہ ہے۔

۴۔ چوتھے باب میں "حوض سلطان شمس الدین التمش اور حضرت خواجہ معین الدینؒ کی مسجد کا ذکر ہے، جہاں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ کی آمد و رفت رہتی تھی۔

۵۔ پانچویں باب میں پیرانِ شجرہ عالیہ چشتیہ کا تفصیلی احوال ہے، جس میں تعین وطن و مدفن، مدت حیات اور تاریخ وفات وغیرہ کا بیان ہے۔

۶۔ چھٹے باب میں قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ کا خداوند کریم سے تعلق، سماع اور آپؒ کی تجہیز و تکفین کا تذکرہ ہے۔

۷۔ ساتویں باب میں تحقیق کے بعد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ

کے مزار کے نواحات کے بزرگان کا بیان دیا گیا ہے۔

اضعف العباد

جگن ناتھ

مہتمم: مطبع محب ہند

فیض بازار دہلی ہندوستان۔

ماہ رجب المرجب ۱۳۰۹ ہجری

باب اول

شجرہ نسب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ۔

کتاب فردوسیہ قدسیہ اور جواہر فریدی جیسی تاریخی کتب میں تفصیلی شجرہ موجود ہے، لیکن اس کتاب میں دیئے گئے تمام ناموں کا تذکرہ زیر نظر کتاب میں کرنا ممکن نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔المختصر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سید حسینی ہیں اور ان کے نسب کا سلسلہ امیر المومنین امام حسین بن علیؓ تک پہنچتا ہے۔آپؒ کے نسب کا سلسلہ بذیل ہے۔

خواجہ سید قطب الدین بختیار کاکیؒ ابن خواجہ کمال الدین

ابن سید محمد ابن سید اسحاق ابن سید معروف ابن سید احمد ابن سید رضی الدین ابن سید حسام الدین ابن سید رشید الدین ابن سید امام محمد تقی الجواد ابن امام علی رضا ابن امام موسیٰ کاظمؒ ابن امام جعفر صادقؒ ابن امام محمد باقرؒ ابن امام زین العابدینؓ ابن امام حسینؓ ابن امیر المومنین حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا بچپن

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ مادرزادولی تھے۔آپؒ کو بچپن سے ہی تصرف پر عبور حاصل تھا، جو بزرگان دین میں سے بہت کم بزرگوں کے حصے میں آیا ہے۔
حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ایک مرید "تاج الدین منوراوشی" کی تحقیق کے مطابق (جس کا تذکرہ انہوں نے اپنے رسالہ میں کیا ہے) حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی والدہ ماجدہ کو آدھا قرآن پاک آغاز کے حصے والا ازبر تھا، جو آپؒ کی والدہ محترمہ اکثر تلاوت کیا کرتی تھیں اور آپؒ نے قرآن شریف کا یہ آدھا حصہ اپنی والدہ صاحبہ کے پیٹ میں ہی زبانی یاد کرلیا تھا۔آپؒ والدہ ماجدہ کے پیٹ میں ہی با آواز بلند تلاوت فرماتے تھے۔آپؒ والدہ ماجدہ کے پیٹ میں آدھی رات کے بعد سوتے تھے اور میٹھی پیاری آواز میں اسم اعظم پڑھتے تھے۔آپؒ کے گھر کے سب افراد ہی اپنی ماں کے پیٹ میں آپ کی تلاوت کلام پاک کی آوازیں سنتے تھے......................
نصف شب کو جب آپؒ کی پیدائش کا وقت قریب آیا تو آپؒ کی والدہ ماجدہ

جاگ اٹھیں اور دیکھا کہ چہار سو گہرا نورانی ہالہ چھایا ہوا ہے اور زمین سے آسمان تک تمام فضا میں اس نور کے ہالے کی کرنیں جگمگا رہی ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر آپؒ کی والدہ ماجدہ کچھ متحیر ہو گئیں۔ تاہم اٹھ کر مناجات میں مشغول ہو گئیں اور ہاتھ اٹھا کر بارگاہ الٰہی میں عرض کی "یا الٰہی .... یہ کیا بھید ہے؟ اس بھید کو ظاہر فرما دے"۔

اس وقت غیب سے آواز آئی کہ:

"ایک فرزند سعید تیرے گھر میں اس گھڑی پیدا ہونے والا ہے، اس کے دل کے نور سے تیرا تمام گھر منور ہو رہا ہے۔ اس اثناء میں آپؒ کی والدہ محترمہ کو درد زہ شروع ہوا۔ اب آپؒ تولد ہوئے تو سجدہ کیا اور اسم ذات کا ورد کیا، جس کو سن کر تمام اہل خانہ اور اہل محلّہ متعجب و متحیر ہو گئے .... صبح صادق کے وقت یہ نور کا ہالہ مزید روشن ہو کر نکھر گیا .... حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرید تاج الدین منور اوشی کے رسالہ کے مطابق خواجہ صاحبؒ کو بچپن سے یہ عادت تھی کہ جو کچھ زبان سے فرماتے تھے اور خبر دیتے تھے، من و عن اسی طرح کے حالات و اسباب پیش آتے تھے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی پیدائش ان کے گھر بمقام "اوش" جو "فرغانہ" کے علاقہ میں ہے، ہوئی۔ جب آپؒ اڑھائی برس کے ہوئے تو آپؒ کے والد بزرگوار خواجہ کمال الدین اوشی وفات پا گئے۔ چنانچہ آپؒ کی پرورش، نگہداشت اور تعلیم و تربیت آپؒ کی والدہ ماجدہ نے کی۔ آپؒ نے اپنے بچپن کے پانچ برس اپنی والدہ ماجدہ کے سایہ شفقت و عاطفت میں گزارے۔ اپنی پاک باطن والدہ محترمہ کے اوصاف آپؒ میں بدرجہ اتم منتقل ہوئے .... کتاب "خیر المجالس" کے مطابق پانچ برس کی عمر میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت خضرؑ کے ذریعہ سے، قطب وقت اور جید عالم "مولانا ابا حفص" کی خدمت میں تحصیل علم کے لیے حاضر ہوئے۔ مولانا حضرت ابا حفص کی صحبت سے آپؒ کی باطنی و ظاہری تربیت ہوئی .... نقل کتاب "جامع الکلام" کے مندرجات کے مطابق جب آپؒ کی عمر چار برس چار ماہ ہوئی تو آپؒ کی والدہ ماجدہ نے آپؒ کو مکتب بھیجنے کا فیصلہ کیا اور مکتب میں

بٹھانے کے موقع پر ایک دعوت عام دی۔ دعوت سے فراغت پانے کے بعد آپؒ کی والدہ ماجدہ نے آپؒ کو کچھ شیرینی اور کچھ زرِ نقد دے کر اپنے ایک نوکر اور لونڈی کے ہمراہ محلّہ کے معلم کے ہاں پڑھنے کے لیے بھیجا۔ آپؒ نوکر اور لونڈی کے ساتھ محلّہ کے معلم کے ہاں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک اجنبی شخص ملا اور نوکر سے دریافت کیا کہ ''اس سعید ازلی کو کہاں لے جا رہے ہو؟'' نوکر جس کا نام ''اتابک'' تھا، نے جواب دیا ''محلّہ کے معلم کے پاس''۔ نوکر کا جواب پا کر اجنبی شخص بولا۔

''اس بچے کو معلم اول مولانا ابا حفص جو عارف کامل ہیں، کے پاس حصول تعلیم کے لیے جانا چاہیے۔ کیونکہ اس بچے کے علم ظاہر کا حصہ ان ہی کے پاس ہے''۔

چنانچہ وہ اجنبی شخص حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو مولانا ابا حفص کے پاس لایا اور پھر مولانا کو آپؒ کو پڑھانے کی تاکید کر کے بعد کہا۔

''اے مولانا! .... مجھے اس لڑکے سے کام ہے۔ اس کی بھرپور توجہ سے اچھی تربیت کیجیے گا۔ مولانا ابا حفص نے بصد شوق و ذوق آپ کو اپنی تربیت میں لے لیا .... جب وہ اجنبی شخص رخصت ہوا تو مولانا ابا حفص نے آپؒ کے نوکر ''اتابک'' سے استفسار فرمایا کہ ''جانتے ہو کہ یہ شخص کون تھا؟''۔

''نوکر نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ تب مولانا ابا حفص نے انکشاف فرمایا کہ یہ حضرت خضرؑ تھے''۔

اس انکشاف پر نوکر اور لونڈی بھونچکا رہ گئے۔

''کتاب سنائل'' کے مطابق جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو مولانا ابا حفص کے مکتب میں داخل ہوئے کافی ایام گزر گئے۔ ایک دن اتفاقاً حضرت خواجہ معین الدین چشتی سیر کرتے ہوئے اس مقام (اوش) میں آئے تو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ پہلی ہی صحبت میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مرید ہو گئے۔

کتاب ''سیر الاولیاء'' میں یوں تذکرہ ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ماہ رجب 522 ہجری میں امام ابو اللیث سمرقندی کی مسجد جو بغداد شہر میں واقع

ہے، شیخ شہاب الدین عمر سہروردی، شیخ احدالدین کرمانی ، شیخ بہاء الدین چشتی اور شیخ محمد اصفہانی کے روبرو حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مرید ہوئے اور مرتبہ بہ مرتبہ سیر و سلوک کی منازل طے کر کے خلافت پیرانِ چشت حاصل کی اور ایک عرصہ تک حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی نگرانی و معیت میں رہ کر محنت وریاضت اور مجاہدہ و مراقبہ میں مصروف رہے۔اس دوران بھی آپؒ کی ذات گرامی سے مخلوق خدا کو فیض پہنچتا رہا۔

(نوٹ) حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے بیعت ہونے کے ضمن میں دو واقعات بیان ہوئے .... یہ دراصل دو الگ الگ کتابوں میں درج ہیں۔روحانیت یا تصوف سے وقوف رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ بیعت دراصل بہ رضا و رغبت اور ذوق وشوق سے ہوتی ہے۔مولانا ابا حفص کے مکتب میں جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ بیعت ہوئے ،اس وقت ان کی عمر کا اندازہ چھ سات سال سے زیادہ ہرگز نہیں لگایا جا سکتا۔کیونکہ آپؒ چار سال چار ماہ کی عمر میں مکتب میں داخل ہوئے اور بہت دن گزرنے کے بعد آپؒ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔کتاب کے اصل متن میں ،جس کی تاریخ اشاعت 1309ہجری ہے، میں ''بہت سے دن گزرے'' کا تذکرہ ہے۔ہفتے، مہینے اور سال نہیں۔اسطرح اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بوقت بیعت آپؒ کی عمر 6برس سے بھی کم رہی ہوگی۔دوسرے واقعہ میں آپؒ بہت سے معتبر بزرگوں کی موجودگی میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے بیعت ہوئے۔اس طرح ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے اپنے بچپن کے دوران جو بیعت حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے دست مبارک پر کی ،اس وقت آپؒ بچے تھے اور سنِ بلوغت کو نہیں پہنچے تھے،لیکن بے انتہا دلی کھچاؤ کے آپؒ نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے بیعت کر لی اور وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ بغداد شہر کی مسجد میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی جس بیعت کا تذکرہ ہے، وہ دراصل آپؒ کے بچپن کے بیعت کی ہی تجدید کا ہوگا۔کیونکہ روحانی اور تصوف کے قانون کے مطابق ایک عاقل بالغ شخص ارادتاً ہی اپنے پیرومرشد سے

بیعت ہوسکتا ہے۔ہمارے نقطہ نظر کے مطابق آپ کی دوبار بیعت کے تاریخی واقعات میں مبالغہ نہیں بلکہ دوسری بیعت اس پہلی بیعت کی ہی تجدید ہے۔واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی ہندوستان آمد اور دہلی میں قیام

حضرت خواجہ معین الدین چشتی بغداد سے اجمیر (ہندوستان) تشریف لائے اور پھر یہیں سکونت اختیار کر لی تو جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ تک یہ اطلاع پہنچی کہ ان کے مرشد کریم نے ہندوستان کے شہر اجمیر کو ہی اپنا مسکن بنالیا ہے تو آپؒ اپنے مرشد کے فراق میں بہت رنجیدہ رہنے لگے .... آپؒ کے لیے بن مرشد لمحہ گزارنا مشکل ہوگیا۔وقت کے لمحات کانٹے بن کر آپ کو چبھنے لگے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ آپ مرشد کی جدائی میں ہر پل مرتے اور ہر پل جیتے تھے۔

آخر کار بے اختیار ہو کر آپؒ نے بھی بغداد سے اپنے مرشد کے شہر "اجمیر" جانے کا ارادہ کر لیا۔جب آپؒ بغداد سے ہندوستان کے شہر ملتان پہنچے تو حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی اور حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کو آپ سے نیاز حاصل ہوا اور انہوں نے آپ کو اپنے ہاں اصرار کے ساتھ ٹھہرالیا۔گو کہ آپؒ یہاں رکنے یا ٹھہرنے کے لیے تیار نہیں تھے،لیکن ان بزرگوں کے اصرار اور الفت سے بے بس ہوگئے۔چنانچہ چند روز مہمانی کے بعد جب آپؒ ملتان سے مسافرت کر کے دہلی پہنچے تو آپؒ پر مرشد کی ملاقات کا وقت قریب آنے پر ایک شادمانی اور سرشاری طاری ہوگئی اور دل میں ایسی کلیاں،کونپلیں اور نغمگی پھوٹ پڑی کہ آپؒ نے

ایک مکتوب لکھ کر حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی خدمت میں بھیجا اور قدمبوسی کی اجازت چاہی۔

..................حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے اپنے ہونہار مرید کا عریضہ جب پڑھا تو ان کا چہرہ کھل اٹھا۔اسی وقت جواب تحریر فرمایا اور آپؒ کو حکم دیا کہ آپ دلی میں ہی مقیم رہیں۔چنانچہ آپؒ اپنے مرشد کے حکم پر دلی میں قیام پذیر ہو گئے۔تاہم جب دل کا سوز بڑھ جاتا تو اپنے مرشد کی خدمت میں چلے جاتے،لیکن دو تین بار سے زیادہ آپ اپنے مرشد کے ہاں نہیں گئے۔دراصل حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے دل میں مرشد کی حرمت از حد زیادہ تھی اور آپؒ سمجھتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کا بہت زیادہ آنا جانا مرشد پسند نہ فرمائیں۔وہ کسی بے ادبی کے مرتکب نہ ہو جائیں۔

..................کتاب "دلیل العارفین" کے مطابق جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ بغداد سے دہلی تشریف لائے تو سلطان شمس الدین آپؒ کے دہلی میں قدم رنجہ فرمانے پر سجدہ شکر بجالایا اور آپؒ سے درخواست کی کہ آپ شہر میں جا کر التمش کے فراہم کردہ مقام پر ٹھہریں،لیکن آپؒ نے مصلحت الٰہی سلطان کی اس پیشکش کو قبول نہیں فرمایا اور دلی شہر کے مضافاتی علاقہ "موضع کیلوکہری" میں قیام فرمایا۔یہاں پانی وافر مقدار میں موجود تھا۔آپؒ کچھ عرصہ اس مقام پر ٹھہرے رہے۔آپؒ کی شہرت کا چرچا دہلی کے علاوہ ہندوستان کے دیگر علاقوں تک پھیل چکا تھا۔آپؒ کی دہلی تشریف آوری کی خبر سن کر "شیخ الاسلام دہلی مولانا جمال الدین احمد بسطامی" (جن کی ملفوظات پیرانِ چشت میں جابجا تعریف و توصیف بیان ہوئی ہے)حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی ملاقات کے لیے حاضر ہوئے اور پہلی ہی ملاقات میں آپؒ کے معتقد ہو گئے۔حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے شیخ الاسلام پر الفت فرمائی۔دہلی کی رہائش گاہ سے آپؒ کے گھر کا فاصلہ پانچ کوس کی مسافت پر تھا،لیکن اس کے باوجود بادشاہ ہفتہ میں دوبارہ آپؒ کی خدمت میں حاضری دیتا۔لیکن کچھ عرصہ بعد بادشاہ اپنی اس حاضری کو ناکافی خیال کر کے بہت منت وسماجت کر کے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو شہر میں لایا اور اعزاز الدین کی مسجد کے قریب ایک پُرفضا وصاف ستھری جگہ پر

آپؒ کی رہائش گاہ کا انتظام کیا۔حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اپنی اس رہائش گاہ میں مخلوق خدا کو ہدایت اور توحید و معرفت کی قندیلوں سے منور فرماتے رہے۔دہلی شہر کے ہر طبقہ کے لوگ شوق اشتیاق سے آپ کی خدمت میں حاضری دیتے۔جو شخص ایک بار آپؒ کی مجلس میں دل لگا کر بیٹھ جاتا،وہ آپؒ پر فریفتہ ہو جاتا۔بہت تھوڑے عرصے میں تمام اہل دہلی کے قلوب میں آپؒ کی قدر و منزلت اور عزت و احترام جاگزیں ہو گیا۔آپؒ تو قلوب کے شہنشاہ تھے اور دلوں کو تسخیر کرنے والے تھے۔چنانچہ اہل دہلی دل و جان سے آپؒ پر فریفتہ ہو گئے۔ انہیں ایام میں جب اہل دہلی آپؒ کی ذات گرامی سے فیض پا رہے تھے کہ مولانا بدرالدین غزنوی نے آپؒ کی خدمت میں حاضری دی اور بیعت ہو کر مرید ہو گئے۔مولانا بدرالدین غزنوی نے اپنے انتہادرجہ کے اخلاص کے باعث بعدازاں آپؒ کی خلافت بھی حاصل کی۔

دہلی کا شیخ الاسلام اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی دلی آمد

کتاب ''کبیر العارفین'' میں درج واقعات کے مطابق حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو دہلی میں تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ مولانا جمال الدین بسطامی انتقال فرما گئے۔مولانا بسطامی شیخ الاسلام کے عہدے پر فائز تھے،جو شروع ہی سے آپؒ کے عقیدت مند ہو گئے تھے۔ان کے انتقال کے بعد بادشاہ سلطان شمس الدین التمش نے شیخ الاسلام کا عہدہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو قبول فرمانے کی استدعا کی، لیکن حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ،جن کے قلب میں رفیق اعلیٰ کی محبت اور عشق کی قندیلیں جل رہی تھیں،بھلا ایسے عہدوں کو کس طرح قبول فرماتے۔آپؒ نے یہ عہدہ قبول فرمانے سے معذوری ظاہر کردی۔چاروناچار التمش نے دہلی کے ایک بڑے عالم ''شیخ نجم الدین صغریٰ کو اس عہدے پر فائز کر دیا۔(شیخ نجم الدین صغریٰ کا مدفن نواح بلخ میں واقع ہے)۔بادشاہوں اور سلطانوں کے انتظامی عہدے جب تک آدمی کا باطن بالکل

صاف و مصفانہ نہ ہو گیا ہو، آدمی کو غرور اور تکبر میں مبتلا کر دیتے ہیں اور غرور و تکبر میں مبتلا شخص کو شیطان لقمۂ تر سمجھ کر اپنا ہمنوا بنالیتا ہے۔

نیا تعینات ہونے والا شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغریٰ بھی نیک بختی کے زینے سے اتر گیا اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ سے بے وجہ عناد رکھنے لگا کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ کی عزت و حرمت کے سامنے شیخ الاسلام کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ رفتہ رفتہ شیخ الاسلام کے دل میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ کے خلاف حسد اس قدر بڑھ گیا کہ وہ دنیا میں آج تک حاسد کے نام سے مشہور ہے.................

کتاب ''سیر الاولیاء'' کے مطابق حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے دو لڑکوں کے کچھ واجبات مشاہر وغیرہ بادشاہ دہلی کے ذمہ بقایا تھے۔ متعلقہ انتظامی عہدے دار یہ واجبات ادا نہیں کر رہے تھے۔ دونوں لڑکوں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے اس کا تذکرہ کیا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیر سے دلی تشریف لائے اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ کے گھر قیام فرمایا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ اپنے مرشد حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی اپنے گھر آمد پر بہت خوش ہوئے کہ جنہوں نے بختیار کا کیؒ کے گھر کو اپنے قیام کے لیے پسند فرمایا اور ان کی تشریف آوری کو ایک سعادت عظیم سمجھ کر ہمہ وقت حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی خدمت میں حاضر رہنے لگے۔ باتوں باتوں میں جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ سے دو لڑکوں کے واجبات کا تذکرہ کیا تو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ نے عرض کیا کہ وہ خود سلطان شمس الدین التمش کے پاس جا کر ان واجبات کا تذکرہ کریں گے۔ چنانچہ آپؒ بادشاہ کے ہاں گئے۔ خود بادشاہ کو خواجہ بختیار کا کیؒ کی ملاقات کی خواہش تھی۔ آپ کا مدعا جان کو فوراً مشاہرہ کی اشرفیاں آپؒ کے حوالے کیں۔ اس مجلس میں ایک حاکم رکن الدین حلوائی بھی موجود تھا، جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ سے بلند مسند پر بیٹھا تھا۔ سلطان التمش کو یہ بات نہایت نامناسب معلوم ہوئی اور وہ بہت ناراض ہوا.................. لیکن حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ نے فرمایا:

''جس وقت کاک اور حلوہ موجود ہوتا ہے تو حلوے کو کاک پر رکھتے ہیں۔پس اگر حلوائی کا کی سے اوپر بیٹھ گیا تو کیا برا ہوا؟..........'' آپؒ کا ارشاد سن کر بادشاہ کی ناراضگی کچھ کم پڑ گئی اور اس کی توجہ کسی دوسری جانب مبذول ہو گئی..........جس سے وہ حلوائی بادشاہ کے عتاب سے بچ گیا۔جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ہاں تشریف لائے تھے،اس وقت شیخ نجم الدین صغریٰ ہی دہلی کا شیخ الاسلام تھا۔حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور شیخ الاسلام دہلی کے مابین پرانا تعلق اور دوستی تھی۔شیخ الاسلام کے آبائی ملک خراسان میں ان کی دوستی اور تعلق استوار ہوا تھا۔حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی طبیعت میں انکساری اور حلم بہت زیادہ تھا۔چنانچہ آپؒ خود اپنے دیرینہ دوست کے گھر ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ اس وقت اپنے گھر کے صحن میں ایک چبوترہ تعمیر کروا رہا تھا اور خواجہ معین الدین چشتی کو دیکھنے کے باوجود آپؒ کی جانب متوجہ نہ ہوا اور چبوترہ بنوانے میں مصروف رہا..........حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے خود آگے بڑھ کر سلام کیا اور فرمایا کہ:

''شیخ الاسلامی کے عہدے نے تو آپ کو دیرینہ دوستوں کی ملاقات سے بھی محروم کر دیا ہے۔ایک دوست اپنے دیرینہ دوست سے انجان بن چکا ہے..........شیخ الاسلام نے معذرت کرتے ہوئے کہا ''کیا کروں؟؟..........آپ نے اس شہر میں اپنے ایک ایسے مرید کو چھوڑ رکھا ہے،کہ جس کے ہوتے ہوئے میری شیخ الاسلامی کی کوئی عزت نہیں کرتا''۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے تبسم فرمایا اور بولے۔

''مطمئن رہو..........میں قطب الدین کو اپنے ہمراہ اجمیر لے جاؤں گا

''شیخ الاسلام خاموش ہی رہا۔

جب آپ شیخ الاسلام کے ہاں سے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے گھر پہنچے تو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

''تو ایسا شہر میں مشہور ہوا کہ خلقت تیری شکایت کرتی ہے۔اٹھ میرے ساتھ

چل..................اور وہاں سے مسند شیوخت پر بیٹھ، میں تیری خدمت میں کھڑا رہوں گا‘‘

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ نے کلمہ استغفار کہہ کر فرمایا:

’’میری کیا مجال کہ آپؒ کے سامنے مسند پر بیٹھوں!‘‘

مگر جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیر کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ کو بھی اپنے ہمراہ لے چلے..................جب یہ اطلاع شہر میں پہنچی کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ اپنے مرشد کے ہمراہ اجمیر جا رہے ہیں تو ایک شور بلند ہو گیا۔ تمام شہر کی خلقت سلطان شمس الدین التمش سمیت آپ کے پیچھے چلی آئی۔ لوگ دیوانہ وار حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ کے قدموں کی خاک اٹھا اٹھا کر زار و قطار رونے اور فریاد کرنے لگے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ انہیں چھوڑ کر اجمیر شریف نہ جائیں..................جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے یہ منظر دیکھا تو اپنا فیصلہ بدل دیا..................اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ کو مخاطب کر کے فرمایا:

’’بختیار جا! دہلی میں ہی رہ..................کہ خلقِ خدا تیرے جانے سے سخت بے چین اور بے قرار ہو چکی ہے اور زار و قطار روتی ہے..................مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اتنی خلقت کے دل توڑ دوں اور انہیں دکھ پہنچانے کا سبب بنوں۔ اب یہ شہر تیری پناہ میں ہے‘‘۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیر تشریف لے گئے اور سلطان التمش اور اس کی رعیت خوشی خوشی آپؒ کو واپس لے آئی۔ شہر کا شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ اچونکہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ کے مرشد حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے ساتھ تواضع سے پیش نہ آیا تھا۔ یہ بات شاید ان جلیل القدر بزرگوں کو نامناسب لگی۔ چنانچہ شیخ الاسلام آنے والے وقت میں بہت بری طرح رسوا ہوا..................اور اسے شیخ الاسلامی کے عہدے سے بھی ہاتھ دھونے پڑے..................۔

کینہ پرور شیخ الاسلام کی سازش اور انجام

بغداد میں جب حضرت شیخ شہاب الدین نے حضرت شیخ بہاءالدین ذکریا ملتانی کو سیر وسلوک کی منازل سے گزار کر ہندوستان روانہ کیا تو حضرت شیخ جلال الدین، جو حضرت بہاءالدین ذکریا ملتانی کے پیر بھائی بھی تھے، کو اپنے پیر بھائی بہاءالدین سے بہت محبت تھی، بھی اپنے مرشد حضرت شیخ شہاب الدین سے اجازت لے کر بہاءالدین ذکریا ملتانی کے ہمراہ ہندوستان چلے آئے۔ ان دونوں بزرگوں نے ملتان آکر پڑاؤ کیا۔ شیخ بہاءالدین تو ملتان ہی میں ٹھہر گئے اور شیخ جلال الدین دہلی کی طرف نکل گئے۔ جب آپؒ دہلی کے قریب پہنچے تو سلطان التمش نے آپ کا والہانہ استقبال کیا۔ خود گھوڑے سے نیچے اتر کر آپؒ کی قدم بوسی کی۔ شیخ الاسلام، نجم الدین صغریٰ کو سلطان کے یہ آداب بجالانا اچھا نہ لگا۔ چونکہ وہ شیخ الاسلام کی مسند پر فائز تھا، اس کے دل میں حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کے خلاف سخت کینہ و بغض پیدا ہوگیا۔ جب سلطان التمش نے اس سے پوچھا

کہ................"حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کو شہر کے کس مکان میں ٹھہرایا جائے؟"
تو شیخ الاسلا منا زراہِ تمسخر کہا "بیت الجن میں"۔

بیت الجن ایک ویران مکان تھا، جس کے بارے میں مشہور تھا کہ اس میں جنات کا بسیرا ہے اور کوئی آدمی وہاں نہیں رہ سکتا)۔حضرت جلال الدین تبریزی پر بذریعہ کشف شیخ الاسلام کا خیال ظاہر ہوگیا۔آپؒ نے شیخ الاسلام کی بات سن کر فرمایا۔

"اس مکان کی چابیاں تو مجھے لا کر دے دو تا کہ میں کسی کو بھیج کر اس کی صفائی و ستھرائی اور جھاڑو دلواؤں۔ چنانچہ چابیاں لا کر آپ کے حوالہ کر دی گئیں۔آپؒ نے "تراب" نام کے ایک خادم کو چابیاں دے کر فرمایا:

"اس گھر میں جا کر بلند آواز سے کہہ دے 'اے جنات اب اس گھر میں جلال الدین تبریزی آرہا ہے، آپ اس گھر کو چھوڑ دیں"۔

جب آپؒ کا یہ پیغام خادم نے جنات کو با آواز بلند سنایا تو جنات نے حضرت شیخ جلال الدین کی عزت و تکریم کی خاطر اپنے اس مسکن کو چھوڑ دیا۔چنانچہ حضرت شیخ جلال الدین اس مکان میں تشریف لے گئے۔ایک دن قیام فرما کر دوسرے دن دہلی میں مقیم حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے آپؒ کی نہایت عزت و تکریم کی۔دونوں بزرگوں کے ملنے سے دہلی کی فضاؤں میں خوشی سے بھونچال آگیا۔ہر ایک پر خوشی و سرشاری کی ایک کیفیت طاری ہوگئی..................یہ جمعہ کا دن تھا اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

کے ہاں محفل سماع کا اہتمام تھا۔بہت سے درویش و فقراء محفل سماع میں شریک تھے۔اس شعر پر شرکائے محفل کے قلوب لافانی سوز و گداز سے بھر گئے اور وجدانی کیفیت طاری ہو گئی۔

در میکدہ وحدت ہشیار
نمی گنجد

در عالم نیرنگی جز یار نمیگنجد

ترجمہ: وحدت کے مے کدہ میں ہوشیار رہنا ممکن نہیں۔ عالم نیرنگی میں یار کے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔

نماز جمعہ تک دونوں بزرگوں نے محفل گرم رکھی۔ بعد ازاں ایک ایک کر کے شرکائے محفل کو رخصت کیا۔

شیخ جلال الدین تبریزی ایک مرد بے باک اور پابند صوم وصلوٰۃ تھے۔ صبح کی نماز عشاء کے وضو سے ہی ادا فرماتے تھے۔ نماز فجر کی ادائیگی کے بعد آپ کا معمول تھا کہ کچھ گھڑیاں دن چڑھے تک آرام فرماتے یا سوتے تھے.............. انہیں ایام میں آپؒ نے پندرہ سو دینار میں ایک ہونہار ترک غلام خرید کر رکھا تھا، جو انتہائی خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ نے (بانسری) بہت اچھی بجاتا تھا۔ حضرت جلال الدین تبریزی نے اس کو بھائیوں دوستوں کی طرح رکھا ہوا تھا۔ فجر کی نماز کے بعد آپؒ جب اپنے گھر کے صحن میں چارپائی بچھا کر لیٹ جاتے تو اکثر وہ غلام آپؒ کے پاؤں دباتا تھا۔ ایک دن شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغریٰ سلطان التمش کے ہمراہ آپؒ کے مکان کے پاس سے گزر رہا تھا کہ اتفاقاً اس کی آپؒ پر نظر پڑ گئی۔ آپ محو استراحت تھے اور غلام آپؒ کے پاؤں دبا رہا تھا۔ شیخ الاسلام نے فوراً سلطان کو آپؒ سے بدگمان کرنے کے لیے کہا:

''اس شخص نے ابھی فجر کی نماز بھی ادا نہیں کی اور ایسے صاحب جمال سے صحبت رکھتا ہے۔ آپ اس قسم کے آدمیوں کے بھی معتقد ہو جاتے ہیں''۔

حضرت جلال الدینؒ پر شیخ الاسلام کا یہ سفلی خیال ظاہر ہو گیا۔ آپؒ نے منہ سے چادر اٹھا کر بلند آواز میں فرمایا۔

''اے شیخ الاسلام! اگر پہلے دیکھتا تو اس غلام کو میرے پاس موجود نہ پاتا''

سلطان آپؒ سے بدظن نہ ہوا بلکہ اس نے شیخ الاسلام کو تنبیہہ کی کہ وہ ایسی حرکتوں سے باز رہے۔ لیکن شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کا کینہ اور حسد بڑھتا ہی چلا گیا۔ اس نے دہلی شہر کی ایک ڈومنی (طوائف: ماہنامہ قلندر شعور شمارہ فروری 2015 ملک کے

معروف روحانی سکالر حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی نے اپنے تحقیقی مضمون "روحانی یونیورسٹی" میں اس طوائف کا نام گوہر لکھا ہے) جو نہایت خوبصورت اور بہت اچھا گانے والی تھی، کو تیار کر کے پانچ سو دینات دینا طے کیے کہ وہ شیخ جلال الدین پر زنا کی تہمت لگائے۔ اس کینہ پرور شخص نے اڑھائی سو دینار ایڈوانس دے دیئے اور اڑھائی سو دینار ایک بنیے کے ہاں رکھوا دیئے کہ جب وہ تہمت لگا کر ثبوت فراہم کرے گی تو اپنی بقیہ رقم بنیے سے اسے مل جائے گی۔ شیخ الاسلام نے پورا ایک منصوبہ تیار کیا کہ بہت سے بزرگوں اور علمائے کرام کی موجودگی میں حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کو رسوا کیا جائے۔ شیخ الاسلام کو پہلے ہی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی دہلی میں موجودگی پسند نہ تھی۔ اب تو حضرت شیخ جلال الدین تبریزی بھی دہلی میں تشریف لے آئے۔ گویا یک نہ شد دو شد والا معاملہ درپیش تھا۔ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی پر التمش کے دربار میں الزام لگانے کے موقع پر حضرت بہاء الدین ذکریا کو اور شیخ حمید الدین جیسے بزرگوں کے علاوہ بائیس اولیائے کرام اور علماء کو بھی بلایا گیا۔ جب یہ سب اولیائے کرام، علماء اور درباری اپنی اپنی مسندوں پر سلطان التمش کے دربار میں بیٹھ گئے تو شیخ جلال الدین اور طوائف کو بھی حاضر کیا گیا .... حضرت شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی نے ڈومنی کو مخاطب کر کے سلطان کے سامنے فرمایا۔

"خدا کے ولیوں سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے۔ تو سچ سچ بتا دے کہ اصل ماجرا کیا ہے؟ اگر تو سچ نہیں بتائے گی تو سزا اور خدا کی گرفت سے کسی صورت نہیں بچ پائے گی"۔

آپؒ کے انداز تخاطب اور رعب سے طوائف پر خوف طاری ہو گیا اور اس نے کانپتے کانپتے بتایا۔

"خدا حاضر وناظر ہے، یہ بات مکمل جھوٹ اور بہتان ہے۔ شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ نے مجھ کو پانچ سو دینار فلاں بنیے کے روبرو اس کام اور مقصد کے لیے دیئے ہیں کہ میں جھوٹ موٹ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی پر زنا کا الزام لگاؤں۔ میں لالچ میں آ کر اس کام کے لیے تیار ہو گئی۔ مجھے معاف کیا جائے"۔

طوائف کے بیان کے بعد اس کی نشاندہی پر بیٹے کو بلایا گیا۔اس نے بھی تمام سازش بے نقاب کر دی..................سلطان التمش نے اسی وقت نجم الدین صغریٰ کو شیخ الاسلام کے عہدے سے معزول کر کے حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی کا خادم مقرر کر دیا۔ حضرت خواجہ جلال الدین تبریزی کی دل شکنی نے ایسا اثر کیا کہ چند ایام بعد شیخ الاسلام اسی صدمہ اور پچھتاوے کی حالت میں اس عالم فانی کو چھوڑ گیا۔

حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کا احوال اور حضرت معین الدین چشتی کے ارشادات

کتاب مراۃ الاسرار، سیر العارفین میں تذکرہ ہے کہ شیخ جلال الدین بنیادی طور پر شیخ ابوسعید تبریزی کے مرید ہیں۔اپنے مرشد کریم کی وفات کے بعد تبریز سے شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی خدمت میں ترک وطن کر کے بغداد آئے اور سات برس تک شیخ شہاب الدین کی خدمت میں رہے۔ہر برس ان کے ہمراہ حج پر جاتے اور زیارت رسولؐ کی سعادت حاصل کرتے۔آپ حضرت شیخ شہاب الدین کے ہمراہ ساز و سامان چولہے دیگچے سر پر اٹھائے میلوں پیدل چلتے اور حضرت شیخ شہاب الدین کی فرمائش پر فوراً گرم کھانا حاضر

کرتے۔ شیخ جلال الدین پر حضرت شیخ شہاب الدین بہت لطف وکرم فرماتے تھے۔ سیر العارفین کے مطابق حضرت خواجہ معین الدین چشتی دلی میں صرف تین بار تشریف لائے۔ پہلی بار حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو دیکھنے اور مستفید کرنے کے لیے، دوسری بار اپنے بیٹوں کے کاغذات ملکیت درست کروانے اور تیسری مرتبہ جب شیخ نجم الدین شیخ الاسلام نے حضرت شیخ جلال الدین تبریزی پر جھوٹی تہمت اور الزام لگایا تھا۔

کتاب راحت المحبین کے مطابق حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا دستور ومعمول تھا کہ ہر روز بائیس آدمی مرید کرتے تھے اور اس گروہ کو نصیحت فرماتے تھے کہ اپنا دامن بادشاہوں اور اہل دولت سے بچاتے رہو۔ اگر دنیا کی ہوس وطلبگاروں سے اپنا دامن نہ بچایا تو سیدھے راستے اور راہنمائی سے محروم رہو گے۔ آپؒ کی ذات گرامی کی برکت اور فیض تھا کہ آپؒ جس کو جس بات کی تاکید فرماتے وہ اس پر عمل کرتا تھا۔

(راحت المحبین)

کتاب سنائل میں تحریر ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے فرمایا کہ:

''کوئی شخص میرا مرید ہو یا میرے فرزندوں کا مرید ہو جب تک وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا، میں ہرگز جنت میں قدم نہیں رکھوں گا۔'' لوگوں نے آپؒ سے استفسار کیا کہ فرزندان سے مراد آپؒ کے خلیفہ ہیں یا اولاد؟

آپؒ نے جواباً فرمایا: دونوں اولاد بھی اور ''خلیفہ'' بھی۔

پھر مزید ارشاد فرمایا کہ:

''میں ایک وقت حرم کعبہ میں مشغولِ یادِ الٰہی تھا کہ غیب سے آواز آئی:

''اے معین الدین! ہم تجھ سے خوش ہیں، تمہیں اور تمہارے اہل خانہ کو بخشا''

اس ندائے غیبی پر فرحت وخوشی کا احساس مجھ پر طاری ہو گیا۔ میں نے بارگاہ الٰہی میں ایک عرض کرنے کی اجازت چاہی۔ ندائے غیبی آئی۔ ''مانگ کیا مانگتا ہے؟ تاکہ وہ تجھے دے دیا جائے''

میں نے عرض کیا، اے الٰہی!.................. جو معین الدین کے مریدوں میں

سے ہواس کی بھی بخشش فرمائی جائے''۔ندائے غیبی سنائی دی: ''اے معین الدین! تیرے مرید اور تیرے مریدوں کے مریدوں کو بھی قیامت کے دن تک بخشا''

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے مسلسل چالیس دن تک رسول مقبولؐ کی خواب میں زیارت کی۔ہر روز رسول مقبولؐ نے فرمایا:

''معین الدین!...................قطب الدین ہمارا دوست ہے، اس کو اپنی خلافت دے دے اور خرقہ پہنا اور ایک دن تو رسول مقبولؐ نے فرمایا کہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قطب الدین ہمارا بھی دوست ہے اس کو جو کچھ نعمت دینی ہے، دے دو اور اپنا خلیفہ بنا دے، اس سے بہتر اور کوئی نہیں ہے..................حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اس وقت جوان تھے اور داڑھی بھی پوری طرح نہیں آئی تھی۔سلسلہ چشتیہ کے پیروں کے خلیفہ ہونے کا شرف حاصل کیا۔جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے آپؒ کو خلافت عطا فرمائی تو فرمایا: ''دہلی میں جا ہم نے تمہیں سب مشائخ کا سردار بنا دیا ہے''۔

☆☆☆☆☆

﴿باب نمبر 2﴾

70 تھیلے سونا اور دشمن کی پسپائی

ایک دن ایک نقاب پوش آدمی حضرت بختیار کاکیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی مفلسی و تنگ دستی کا احوال بیان کرنا شروع کر دیا۔ہر چند حضرت بختیار کاکیؒ اس کی باتوں کو نظر انداز کرتے رہے مگر وہ شخص اپنی مظلومیت اور مفلسی کا دکھڑا سنا کر آپؒ کو بے چین اور تنگ کرنے پر ہی مصر رہا۔آخر کار حضرت بختیار کاکیؒ نے فرمایا۔

''اے عزیز! ستر (70) تھیلے جو سونے کے تمہارے گھر میں دبے ہوئے ہیں، پہلے ان کو نکال اور پھر اپنی مفلسی بیان کر''۔

آپؒ کا ارشاد سن کر وہ شخص بہت نادم ہوا اور چپ چاپ آپؒ کی مجلس سے اٹھ کر چلا گیا۔ پھر اس آدمی کو دوبارہ کسی نے آپؒ کے ہاں نہیں دیکھا۔ان ہی ایام میں حضرت بختیار کاکیؒ اور شیخ جلال الدین تبریزیؒ دونوں ملتان میں حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ کے ہاں تشریف لے گئے اور چند دن مہمان رہے۔ان دونوں بزرگوں کی ملتان موجودگی کے دوران ایک رات کفار کی فوج ملتان کے قلعہ کے عین نیچے آگئی اور ملتان شہر کو نیست و نابود کرنے کی تراکیب سوچنے لگی۔والئی ملتان ناصر الدین قباچہ ان بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوا اور کافر فوج سے تحفظ کے لیے دعا فرمانے کی استدعا کی۔ناصر الدین قباچہ بہت پریشان تھا۔ملتان کو بچانے کا کوئی حیلہ اسے نہیں سوجھ رہا تھا۔دشمن فوج رات کے کسی بھی پہر حملہ آور ہو کر ملتان کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتی تھی اور قلیل دفاعی لشکر سے ملتان کو بچانا ناممکن تھا۔ناصر الدین قباچہ کی بے چینی دیکھ کر حضرت بختیار کاکیؒ (اصل متن میں تینوں بزرگوں میں سے کسی کا نام نہیں لکھا،صرف لفظ ''خواجہ'' درج ہے،لیکن کتاب چونکہ حضرت بختیار کاکیؒ پر لکھی گئی ہے،اس لیے غالب امکان یہ ہے کہ یہ بزرگ حضرت بختیار کاکیؒ ہی ہوں گے۔واللہ اعلم بالصواب۔

جن کے ہاتھ میں اس وقت ایک تیر تھا۔ناصر الدین قباچہ کو عنایت کر کے فرمایا۔

''اس تیر کو اپنے گھر لے جا اور دشمن کی فوج کی طرف پھینک دے''۔

یہ تیر ناصر الدین قباچہ خوشی خوشی اپنے گھر لے گیا اور مکان کی چھت سے یہ تیر دشمن فوج کی طرف پھینک دیا۔تیر فوج کے ایک حصے میں گرا۔تیر کے گرنے کے بعد دشمن کی فوج پر بدحواسی چھا گئی اور وہ خوف زدہ ہو کر واپس لوٹ گئی۔

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے ایک بار حضرت بختیار کاکیؒ کے بارہ میں فرمایا تھا کہ ''ایک شخص ایک دن آپؒ کے مزار پر گیا۔دوران دعا و فاتحہ اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ نہیں معلوم حضرت بختیار کاکیؒ کو میرے آنے کا علم ہے یا نہیں۔اس شخص کے ذہن میں اس خیال کا پیدا ہونا تھا کہ آپؒ کے مزار سے صدا سنائی دی''۔

مـــــــرا زنــــــده پــــنــــــدار چــــــوں خــــوشیتــــــن

من آیم بجان گر تو آئی زتن

ترجمہ: مجھے بالکل اپنی طرح زندہ سمجھو اگر تو جسم سے میرے پاس آئے گا تو میں جان کے ساتھ آؤں گا۔

اس شعر کو سننے کے بعد اس شخص پر کچھ ہیبت طاری ہوئی اور وہ مطمئن ہو گیا۔

سونے چاندی کی نہریں اور دریا کے پانی خشک ہونا

ایک بار بادشاہ قطب الدین ایبک نے کچھ اشرفیوں کے تھیلے آپؒ کی خدمت میں پیش کیے۔حضرت بختیار کاکیؒ مسکرانے لگے اور فرمایا۔

''اس کی کیا حاجت ہے؟''

قطب الدین ایبک کو یہ بات ناگوار گزری۔حضرت بختیار کاکیؒ پر بادشاہ کا یہ خیال منکشف ہو گیا۔چنانچہ آپؒ جس مسند پر تشریف فرما تھے۔اس کے بچھونے کو اٹھا کر بچھونے کے نیچے کی جگہ بادشاہ کو دکھائی۔قطب الدین ایبک نے دیکھا کہ سونے اور چاندی کے ریلے دریاؤں کی مانند بہتے چلے جارہے ہیں۔بادشاہ یہ منظر دیکھ کر بہت شرمندہ ہوا اور

توبہ کی۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ نے ایک بار حضرت بختیار کاکیؒ کے بارے میں فرمایا تھا کہ:

''ایک موقع پر میں اور حضرت بختیار کاکیؒ ہم سفر تھے۔ ایک دریا کے کنارے پہنچے۔ ہمیں دریا عبور کرنا تھا، لیکن کوئی کشتی وغیرہ موجود نہیں تھی اور دریا کے اس کنارے پر جنگلی درندے شیر وغیرہ کے ڈر کا خدشہ بھی لاحق تھا۔ حضرت بختیار کاکیؒ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔

''فرید! دریا کس طرح پار کریں؟''

مجھے کچھ نہ سوجھا اور جواب نہ دے پایا۔ حضرت بختیار کاکیؒ نے مسکرا کر سورہ اخلاص پڑھ کر پانی پر دم کیا۔ دفعتاً پانی رکا اور اس کے بیچ میں سے خشک راستہ نمودار ہو گیا۔ حضرت بختیار کاکیؒ نے میرا ہاتھ پکڑا اور ہم دونوں نے چل کر دریا عبور کر لیا۔

بے گناہ کی زندگی اور خانہ کعبہ کا موجود ہونا

ایک دن ایک غریب و بے کس بڑھیا حضرت بختیار کاکیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپؒ سے التجا کرنے لگی کہ میرے بیٹے پر ناحق تہمت اور الزام لگا ہے۔ وہ فی الحقیقت بے گناہ ہے اور اسے سولی پر چڑھایا جا رہا ہے۔ بڑھیا نے اپنے بیٹے کی موت کے دکھ دصدمہ سے نڈھال ہو کر رو رو کر آپؒ سے التجا کی۔ آپؒ نے بڑھیا کی استدعا سن کر کچھ توقف فرمایا اور پھر جلد ہی آپؒ اٹھ کر اس طرف چل پڑے جہاں بڑھیا کے بیٹے کو سولی پر لٹکایا جا رہا تھا۔ آپؒ کے پاس بیٹھے موجود احباب بھی آپؒ کے ہمراہ ہو گئے۔ جب آپؒ سولی (پھانسی گھاٹ) کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کا ایک ہجوم جمع ہے اور بڑھیا کا بیٹا

سولی پر لٹک رہا ہے، جس کی جان نکل چکی تھی۔ آپؒ آگے بڑھے اور اس کی گردن پر ہاتھ رکھ کر بارگاہ الٰہی میں استدعا کی:

"یا الٰہی! اگر یہ لڑکا بے گناہ مارا گیا ہے تو تُو اپنی قدرت کاملہ سے اس کو زندہ فرمادے۔ اس کی ماں بہت بے قرار اور دکھی ہے"

آپؒ کی دعا فرمانے سے آناً فاناً وہ لڑکا زندہ ہو گیا.................. ماں نے اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا اور بے اختیار حضرت بختیار کاکیؒ کو دعائیں دینے لگی۔ لڑکا تو زندہ ہو کر خوشی خوشی اپنی ماں کے ہمراہ چلا گیا، لیکن اس مشاہداتی واقعہ نے یہاں موجود لوگوں پر بہت اثر کیا اور بہت سے غیر مسلموں نے آپؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ (کتاب اسرار الاولیاء)۔ عید الاضحیٰ کا دن تھا اور حضرت بختیار کاکیؒ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے۔ آپؒ حج کے موضوع پر بات چیت کرتے ہوئے دوست احباب سے حج کی فضیلت بیان فرما رہے تھے۔ حج کی فضیلت بیان فرمانے کے بعد آپؒ نے فرمایا کہ:

"اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کو اس قدر دوست رکھتا ہے کہ اگر وہ خواہش کریں تو خانہ کعبہ کو ان کے گھر اٹھا لاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کی کوئی بات یا خواہش رد نہیں فرماتا.................. نہ جانے آپؒ اس وقت کس حالت اور عالم میں یہ گفتگو فرما رہے تھے کہ ابھی آپؒ کی بات ختم نہ ہو پائی تھی کہ خانہ کعبہ سامنے آموجود ہوا۔ سب حاضرین مجلس نے خانہ کعبہ کو اپنے سامنے پا کر تکبیر کہی کہ جس طرح حج میں کہتے ہیں۔ مناسک حج ادا کیے اور خانہ کعبہ کا طوائف کیا۔ مناسک حج کی ادائیگی کے بعد ایک غیبی آواز آئی۔

"تمہارا حج قبول ہوا.................. اور تمہاری دعائیں بھی قبول کیں"۔

حاضرین مجلس اس ماجرا اور اسرار کو دیکھ کر دنگ رہ گئے، لیکن آپؒ نے سب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ فقراء کے لیے تو یہ باتیں معمول کی حیثیت رکھتی ہیں۔ (کتاب فوائد السالکین)

قاضی بچہ دیوانہ

حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کو لڑکپن میں ''قاضی بچہ دیوانہ'' کہا جاتا تھا۔ آپؒ اس وقت پرگنہ کوہسوال پاک پتن شریف کے نزدیک رہتے تھے۔قدرت الٰہی کہ شیخ جلال الدین تبریزی اس پرگنہ میں آئے اور لوگوں سے پوچھا۔

''یہاں کوئی فقیر ہے''؟

لوگوں نے عرض کیا۔ پرگنہ میں سوائے ''قاضی بچہ دیوانہ'' کے اور کوئی فقیر نہیں ہے۔چنانچہ آپؒ ''قاضی بچہ دیوانہ'' کو ملنے کے لیے گئے اور ملاقات پر ایک انار حضرت فریدالدین گنج شکر (قاضی بچہ دیوانہ) کو کھانے کے لیے دیا۔حضرت بابا فرید گنج شکر نے اپنے روزہ کے سبب وہ انار نہ کھایا اور توڑ کر موجود لوگوں میں بانٹ دیا۔کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد جب جلال الدین تبریزی حضرت بابا فریدالدین گنج بخش شکر کے ہاں سے رخصت ہوئے ....بابا فریدؒ انہیں الوداع کہہ کر جب اپنے حجرے کے دروازہ کھولا تو انار کا ایک دانہ زمین پر پڑا ہو نظر آیا۔آپؒ نے وہ دانہ اٹھا کر اپنی پگڑی میں باندھ لیا اور وقت افطار اسی دانے سے روزہ افطار کیا۔اس کے کھاتے ہی ایک ایسا سوزو ساز اور سرور دل میں پیدا ہوا کہ جسے برداشت کرنے کے لیے بابا فرید کو اپنا ظرف و ہمت ملیا میٹ ہوتے نظر آرہے تھے............بہر حال آہستہ آہستہ ان کی کیفیت کچھ ہلکی ہوتی گئی اور سوز و گداز کی طلاطم خیز موجوں میں کچھ ٹھہراؤ آ گیا............بعدازاں حضرت بابا فریدؒ کو تعجب اور سخت قلق ہوا کہ میں نے سارا انار کیوں نہ کھایا، جس ایک دانہ کی یہ تاثیر تھی۔بے شک مرجاتا لیکن پورا انار ضرور کھالیتا............کچھ عرصہ بعد جب حضرت بابا فرید گنج شکر دہلی میں اپنے مرشد حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے پاس تشریف لے گئے تو مرشد نے آپؒ کو دیکھتے ہی مسکرا کر فرمایا۔

فرید!............اس سارے انار کے دانوں میں سے صرف ایک دانہ خدا

نے تیرے حصے کے لیے مقرر کیا تھا تا کہ تیرے دل کی صفائی ہو۔انار کا پورا دانہ نہ کھانے پر افسوس کرنا فضول اور بے معنی ہے۔(کتاب خیر المجالس)۔

سید علاؤ الدین بجنوریؒ ایک بار حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کی زیارت کے لیے گئے۔حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کی قبر سے آواز سنائی دی۔

''علاؤ الدین! اگر میں (عالم ظاہر) میں زندہ ہوتا تو تمہیں یہ ہمت کیسے پڑتی کہ میرے پہلو میں آبیٹھتے اور ایسی باتیں بناتے،اٹھ کر روضہ سے باہر چلے جاؤ اور اپنا رستہ لو''

علاؤ الدین بجنوری یہ غیبی آواز سن کر سخت پشیمان اور مضطرب ہوئے اور پھر آپؒ کی مرقد مبارک کے پاس نہ بیٹھے اور چلے گئے۔اس لاسلکی آواز سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اولیاء کرام کے مزار کے پاس نہ بیٹھنا چاہیے۔(یہ واقعہ کتاب کے اصل متن صفحہ 15 پیرا نمبر 2 میں درج ہے۔ہمارے خیال میں علاؤ الدین بجنوری صاحب کے دل میں یقیناً حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے بارے میں کسی بدگمانی نے جنم لیا ہوگا ورنہ اولیاء کرام اور فقرا ہرگز ایسا نہیں کرتے بلکہ وہ آدمی کی کوتاہیوں،لغزشوں کی پردہ پوشی فرماتے ہیں۔پھر فقراء کے ارشادات میں بڑی حکمت اور مصلحت ہوتی ہے۔ان کی نگاہوں کے سامنے ظاہر و باطن صاف آئینہ کی مانند ہوتے ہیں۔ممکن ہے مزار شریف پر اس وقت کوئی ایسے صاحب حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ سے باطنی تعلق جوڑے بیٹھے ہوں جن میں حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کی باطنی روشنیاں منتقل ہو رہی ہوں اور علاؤ الدین بجنوری کا کوئی خیال فاسد ان مصفاد لطیف روشنیوں کے لیے تکدر کا موجب بن گیا ہو۔واللہ اعلم بالصواب)۔(کتاب جوامع الکلم)

''ناصری'' شاعر کا انعام

سلطان شمس الدین التمش بڑا سخی و فیاض بادشاہ تھا۔ جب اس کی سخاوت کا شہرہ ہندوستان سے نکل کر ایران تک پہنچا تو "ناصری" نام کے ایک شاعر نے 56 اشعار پر مشتمل سلطان پر ایک قصیدہ لکھا اور اپنے شہر سے لمبی مسافت طے کر کے ہندوستان آیا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ اپنا لکھا ہوا قصیدہ وہ سلطان کو پیش کر کے انعام و اکرام لے گا۔ جب وہ دہلی پہنچا تو اس نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی بزرگی و عظمت کا چرچا سنا تو اس نے اپنے ارادہ میں تبدیلی کر لی کہ پہلے وہ حضرت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خدمت میں حاضری دے گا۔ چنانچہ اس نے آپؒ کی خدمت میں یوں خالی ہاتھ حاضری دینے کے بجائے مناسب سمجھا کہ ایک مدح حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ پر لکھ کر بوقت حاضری ان کی خدمت میں پیش کی جائے۔ اس نے مدح لکھ کر آپؒ کی خدمت میں حاضری دی ....حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نہایت شفقت و مروت سے پیش آئے اور اس کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ ناصری کو پختہ امید بندھ چلی کہ اب ایک بزرگ کی دعا کی برکت سے اسے ضرور ہندوستان کا بادشاہ انعام و اکرام سے نوازے گا۔

بادشاہ نے قصیدہ خود اس کی زبان سے سنا، لیکن قصیدہ چونکہ طویل تھا، اس لیے بادشاہ کی توجہ سننے کے دوران دوسرے معمولات کی طرف ہو جاتی۔ ناصری کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا کہ شاید بادشاہ اس کے کلام پر توجہ نہیں دے رہا۔ ابھی یہ خیال اس کے دل میں پیدا ہوا ہی تھا کہ بادشاہ اس کی طرف متوجہ ہوا اور بولا ...."ہاں آگے بڑھ............پڑھ"

ناصری نے یہ شعر پڑھا۔

اے فتنہ از نہیب تو زنار خواستہ
تیغ تو مال و فیل از کفار خواستہ

بادشاہ نہایت توجہ سے ناصری کا قصیدہ سنتا رہا۔ بعض اشعار کو دو دو بار بادشاہ نے سنا اور پھر ناصری سے پوچھا۔

''قصیدہ کے کتنے اشعار ہیں''؟

ناصری نے جواب دیا: ''چھپن اشعار پر یہ قصیدہ مشتمل ہے''۔

بادشاہ نے خزانچی کو اشارہ کیا کہ چھپن ہزار تنگ (رائج الوقت سکہ) چاندی کے انعام میں دے دیئے جائیں............ ناصری کو اس بات کا قطعی گمان ہی نہ تھا کہ قصیدے کا اتنا بڑا صلہ یا انعام ملے گا۔

انعام حاصل کرنے کے بعد ''ناصری'' خوشی سے سرشار حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے دل میں انعام ملنے پر جو نذر آپ کی خدمت میں مانی تھی، وہ پیش کی۔ آپؒ نے وہ نذر اس سے قبول فرما کر پھر اسے ہی بخش دی اور یہ شاعر آپ کی خدمت میں حاضری دینے کے بعد اپنے وطن واپس چلا گیا۔ (کتاب جواہر فریدی)

فاسق وفاجر ہمسایہ

ایک فاسق شخص فوت ہوا۔ اسے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار کی پائنتی سمت میں دفن کیا گیا۔ (پائنتی بمعنی مرقد کے پاؤں کی طرف) بعض لوگوں نے اس رات خواب میں اس شخص کو دیکھا کہ جنت کے باغ کی سیر کر رہا ہے۔ اس سے استفسار کیا گیا کہ یہ جنت کی نعمت تو نے کیسے حاصل کی؟ اس نے شخص نے جواب دیا کہ مجھے

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار کے قریب دامن کی جانب دفن کیا گیا۔ عذاب کے فرشتے آئے تو اس بات سے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی روح کو رنج ہوا کہ میرے مزار کے قریب دفن ہونے والے آدمی کو عذاب ہو رہا ہے۔ آپؒ کے اس قلق کی بارگاہ الٰہی میں یہ قدر ٹھہری کہ فرشتوں کو حکم الٰہی ہوا کہ یہ شخص خواجہ کا ہمسایہ ہے، اسے چھوڑ دو اور خواجہ کو سونپ دو اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے کہہ دو کہ تیرے روضے کے ہر ایک ہمسایہ کو میں نے بخش دیا اور قیامت تک انہیں عذاب سے مبرّا رکھوں گا (یہ ہے ایک فقیر اور اللہ کے دوست کی قدر اللہ کے ہاں)۔ (مرتبین)

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

بدکردار اور گناہ گاروں کا محافظ (کتاب افضل الفواء)

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ میں اور قاضی حمید الدین ناگوری اکٹھے سفر کر رہے تھے۔ ایک دریا کے کنارے جب پہنچے تو مجھے شدت کی بھوک لگ گئی۔ میں نے اس کا اظہار نہیں کیا، لیکن بھوک کی وجہ سے کھانے کی سخت طلب ہو رہی تھی۔ چند ساعتیں گزری تھیں کہ ایک بکری دو جو کی روٹیاں منہ میں اٹھائے آئی اور ہمار

ے سامنے رکھ کر چلی گئی۔ہم نے اسے خدا کی عنایت اور نعمت سمجھا،اللہ کریم کا شکر ادا کیا اور یہ روٹی کھالی۔اس اثناء میں ہم نے دیکھا کہ ایک بڑی قامت کا خوفناک بچھو جس کا منہ بلی کے برابر تھا، ہمارے پاس سے گزرا اور دریا میں چلا گیا۔ہم نے یہ ماجرا دیکھ کر کچھ توقف کیا۔بچھو کے دریا میں چلے جانے کو ہم نے مصلحت سمجھا اور بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ ہمارے دریا سے پار اترنے کا کوئی سبب پیدا فرمادے.........دعا کے بعد ہم نے دیکھا کہ دریا میں بیچوں بیچ خشک زمین ظاہر ہو چکی ہے۔ہم نے پا پیادہ دریا عبور کیا تو دوسرے کنارے پر دیکھا کہ ایک شخص درخت کے نیچے گہری نیند میں سویا پڑا ہے اور ایک اژدھا منہ کھولے اس آدمی کو نگلنے کے درپے ہے۔ابھی ہم پوری طرح اژدھے کو دیکھ بھی نہ پائے تھے کہ وہی بچھو جو دریا کے دوسرے کنارے سے دریا میں داخل ہوا تھا، آموجود ہوا اور انتہائی تیزی سے سانپ کو ڈنک مارا۔اس پر بلیث بچھو کے ڈسنے سے اژدھا تڑپ تڑپ کر مر گیا اور بچھو ایک جانب آگے نکل کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔اس بات سے ہم نے اندازلگایا کہ سویا ہوا شخص کوئی مرد خدا ہے، جو خدا کی حفاظت میں ہے۔جب اس شخص کے ہم بالکل قریب گئے تو ہمیں معلوم ہوا کہ ایک شرابی بدمست پڑا ہے۔ہمیں سخت حیرت ہوئی کہ ایک ایسا نافرمان شخص اور ذات مطلق اس پر ایسی مہربان!!! اتنے میں ایک غیبی آواز آئی۔

"اے عزیزو!.........اگر ہم نیک بختوں اور پارساؤں کو نگاہ میں رکھیں تو گناہ گاروں اور شراب نوشوں کی کون حفاظت اور پرورش کرے گا؟؟۔ہم نے اس ندائے غیبی پر اپنے گمان پر استغفار کیا تو اس اثناء میں وہ بے سدھ پڑا ہوا شخص جاگ اٹھا۔ہم نے اس سے یہ تمام ماجرا بیان کیا..............وہ بہت نادم ہوا۔اس پر اتنا اثر ہوا کہ اس کے خیالات بدل گئے اور اس نے بدکرداری اور شراب نوشی سے توبہ کر لی اور خدا کے دوستوں کے زمرہ میں شامل ہو گیا..........

"اے عزیزو!.........غور کرو.........! جب سعادت کا وقت آتا ہے اور مہربانی وفضلِ الٰہی کی ہوائیں چلتی ہیں تو ذات مطلق کوئی کیسا ہی گناہ گار اور سیاہ کار کیوں نہ ہو، یکدم اس کے گناہ بخش دیتی ہے اور اسے اولیاءاللہ کا مسند نشین بنادیا جاتا ہے.............اگر اللہ کی

صفت غضب کی آندھی آئے تو سینکڑوں سجادہ نشین غارت ہو جائیں۔

''کاکی'' کی وجہ تسمیہ

راقم الحروف (محمد بلاق ہمشیرہ زادہ نظام الدین اولیاءؒ) طالبوں کے لیے'' کاکی'' کی وجہ تسمیہ بیان کرنا چاہتا ہے تا کہ ان کے یقین میں اضافہ ہو۔ جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے گھر میں فقر وفاقہ کا دور تھا۔ ایک بار تین دن مسلسل فاقے لگے تو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے گھر کی کسی بی بی نے شرف الدین بقال (سبزی فروش/ دوکاندار) کی بی بی سے قرض لے لیا (اکثر بوقت اشد ضرورت شرف الدین کے گھر سے قرض لے لیا جاتا تھا)۔

ایک دن قرض لینے کے موقع پر شرف الدین بقال کی بیوی نے متکبرانہ انداز میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی بیوی سے کہا۔

''اگر ہم تمہارے پڑوس میں نہ رہتے تو تم لوگ پھر کہاں سے کھاتے؟؟''

جب یہ بات حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ تک پہنچی تو آپؒ نے اپنی بیوی صاحبہ کو ان لوگوں سے قرض لینے سے کلیتاً منع کر دیا اور اپنے کمرہ میں موجود ایک طاق کے طرف اشارہ کر کے فرمایا۔

''جس وقت آپ کو کوئی چیز ضرورت ہو تو بسم اللہ شریف پڑھ کر حسب ضرورت طاق میں ہاتھ ڈال کر لے لیا کرو''۔

اس دن کے بعد آپؒ کی اہلیہ محترمہ جس وقت طاق میں ہاتھ ڈالتیں تو کاک (روٹی) گرم پاتیں اور بہت عرصہ تک آپؒ کے گھر کی ضرورتیں اس طاق سے پوری ہوتی رہیں۔ علاوہ ازیں آپؒ کے مصلے کے نیچے سے وافر مقدار میں کاک (روٹیاں) نکلتے تھے۔ اس وجہ سے بھی آپؒ کو کاکی کہا جانے لگا۔ (کتاب سیر الاولیاء)

ایک دن حضرت امیر خسرو حضرت سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت پانے پر آپؒ سے عرض کیا۔

''حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو''کاکی'' کس وجہ سے کہتے ہیں؟''

سلطان المشائخ نے فرمایا۔

''حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اکثر حوض شمسی پر بیٹھے غور وفکر میں ڈوبے رہتے تھے .... ایک دن ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور آپؒ کے احباب و دوستوں نے آپؒ سے عرض کیا:

''خواجہ صاحب! ایسی ٹھنڈی ہوا میں اگر گرم کاک (روٹی) مل جاتے تو کتنا ہی اچھا ہو''۔

آپؒ نے استفسار کیا۔

''اس کا کیا کرو گے؟''

عرض کیا گیا: ''کام میں لائیں گے''(یعنی کھائیں گے)

پس حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اٹھ کر تالاب کے پاس گئے اور پانی سے گرم کاک (روٹیاں) نکال کر دوستوں کے حوالے کیں۔اس دن کے بعد دوستوں اور احباب نے آپؒ کو''کاکی'' کہنا شروع کر دیا۔(کتاب افضل الفوائد)

ایک نان بائی جو شاہی دربار میں ڈیوٹی سرانجام دیتا تھا، سے کچھ کاک (روٹیاں) جل گئے اور وہ سخت مخمصے میں پڑ گیا کہ اب کیا کیا جائے!!۔اس اثناء میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اس کے پاس تشریف لائے تو آپ نے اسے پریشان پایا۔آپؒ کے استفسار فرمانے پر نان بائی نے تمام احوال کاک جلنے کا بیان کیا۔تو آپؒ نے نہایت شگفتہ لہجے میں فرمایا:

''ارے! .... حیران کھڑا کیا دیکھتا ہے؟ بسم اللہ پڑھ کر تنور میں ہاتھ ڈال''۔

چنانچہ نان بائی نے حسب ارشاد عمل کیا تو کیا دیکھتا ہے کہ سب کاک اچھے اور

صاف ہیں .... نان بائی بہت خوش ہونے کے ساتھ ساتھ سخت متعجب ہوا اور آپؒ کے ہاتھ چوم لیے۔ (کتاب فردوسیہ)

ایک بار قاضی حمید الدین کے گھر میں محفل سماع گرم تھی۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ بھی اس محفل میں تشریف لے گئے۔ محفل میں بہت زیادہ لوگ شریک تھے۔ جب محفل سماع ختم ہوئی تو قاضی حمید الدین نے آپؒ سے عرض کیا کہ میری خواہش ہے کہ سب حاضرین محفل کو کھانا دیا جائے۔

قاضی حمید الدین کی بات سن کر آپؒ نے اپنی دونوں آستینیں جھاڑیں۔ تو تمام شرکائے محفل کے سامنے دو دو کاک (روٹیاں) گرم حلوہ کے ساتھ موجود تھے، جس سے سب متحیر رہ گئے۔ اس مجلس میں ایک شخص ڈھائی سیر شکر لایا تھا تا کہ جس کا شربت بنا کر حاضرین محفل کو پیش کیا جا سکے۔ قاضی حمید الدین نے وہ شکر ایک چھاگل (برتن) میں ڈال کر اس میں سات بڑے پیالے پانی ڈالا تھا، لیکن یہ شربت حسب طلب سب شرکائے محفل نے پیا، لیکن مجلس کے اختتام کے بعد بھی برتن میں اتنا ہی شربت موجود تھا۔

التمش کا بھانجا اور بختیار کا خطاب

سعد الدین بتولی جو سلطان الدین التمش کا بھانجا تھا، کو سلطان نے اپنا بیٹا بنالیا تھا، نے جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی بزرگی وعظمت کا چرچا سنا تو اس کے دل میں آپؒ سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ چنانچہ وہ آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؒ سے عرض کی کہ اسے بیعت فرما کر مرید بنالیا جائے۔ تا کہ اس کے دل میں آپؒ کی خدمت

کرنے کی تمنا پوری ہو۔

آپؒ نے اس کی بات سن کر مسکراتے ہوئے فرمایا:

''آپ میں فقیروں کی خدمت کی لیاقت مجھے نا پید نظر آتی ہے۔ تو شاید فقراء کی خدمت نہ کر پائے۔ کیونکہ تو ہر روز دینار جمع کرتا ہے اور ان سے ہاتھ نہیں کھینچتا۔ تیرے دل میں زر کی چمک جاگزیں ہو گئی ہے''۔

آپؒ کا یہ ارشاد سن کر وہ ان ہی قدموں گھر گیا اور اس کے گھر میں جو کچھ زر و جواہر مال و اسباب تھا اٹھا لایا اور سب فقیروں میں بانٹ دیا۔ دوسرے دن علی الصبح کچھ شیرینی اور پان لے کر آپؒ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوا اور بیعت ہونے کی استدعا کی .... حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے خواجہ قاضی حمید الدین کو مخاطب کر کے فرمایا۔

''اس نوجوان تارک دتائب کو بیعت کرو۔ اس نے اپنے دل کی سیاہی دھودی ہے۔ بیعت کرنے کے بعد آپؒ نے سعد الدین سے فرمایا۔ ''نگاہ آسمان کی طرف کر''۔

جب اس نے نظریں اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تو عرش سے تحت الثریٰ تک سب کچھ روشن ہو گیا۔ قاضی حمید الدین نے سعد الدین سے کہا۔

''آج پہلے ہی روز آپ پر اس قدر کرم وعنایت ہے، انشاءاللہ حق تعالیٰ سبحانہ آئندہ بھی آپؒ کو عجائبات دکھائے گا اور آپؒ اچھے مقام پر پہنچیں گے''۔

حاضرین محفل نے سعد الدین کو مرید ہونے پر مبارک باد دی۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے اپنے کندھے پر موجود کمبل سعد الدین کو دے کر فرمایا۔

''مجاہدہ میں کوششیں جاری رکھنا تا کہ مشاہدہ حاصل ہو اور یقین کی تکمیل ہو سکے۔ سعد الدین صاحب جب آپؒ کے عطا فرمائے ہوئے کمبل کو کندھے پر ڈالتے تو دنیاوی مشغلوں سے دل اچاٹ ہو جاتا اور اپنے گھر میں مجاہدہ و مشاہدہ میں مشغول رہتے۔ دل دنیا کی طلب سے بالکل ہی ہٹ گیا اور سعد الدین فقر و فاقہ پر راضی رہنے لگے۔ جب سلطان شمس الدین التمش تک اپنے بھانجے کے بیعت ہونے اور اس کے معمولات تبدیل ہونے

کی خبر پہنچی تو کچھ ناراض ہوا اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔اس وقت سعد الدین بھی آپؒ کی خدمت میں موجود تھا ۔بادشاہ نے آتے وقت ہی دل میں سوچ لیا تھا کہ فقیر اگر کامل ہوں گے تو میرے لیے گرم روٹی غیب سے تیار کریں گے ۔الغرض بادشاہ جب آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کیا۔

''بندہ بھوکا ہے''۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ نے اپنی دونوں آستینوں سے گرم وسفید کاک (روٹیاں) نکال کر بادشاہ کو دیں ۔بادشاہ سخت حیران ہوا اور بولا ۔

''اے خواجہ! خشک کاک اچھا نہیں ہے''۔

قاضی حمید الدین نے جب بادشاہ کی بات سنی تو وضو کے پانی سے گیلی ہونے والی مٹی اٹھا کر کاک پر رکھ دی تو وہ حلوہ میں تبدیل ہوگئی .... بادشاہ نے کہا:

''سعد الدین کو بھی یہ نعمت حاصل ہوئی ہے یا نہیں؟''

قاضی حمید الدین نے سعد الدین کی طرف دیکھا تو سعد الدین نے ہاتھ بغل میں سے نکالے اور دو بیڑی پان بادشاہ کو دے دیئے ۔بادشاہ اپنے بھانجے کی کرامت سے بہت تعجب میں پڑ گیا ۔بعد ازاں بادشاہ نے کہا کہ میرا تمام لشکر بھوکا ہے، کاک وحلوہ کا تبرک عنایت فرمایا جائے ۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ ، قاضی حمید الدین اور بادشاہ کے بھانجے سعد الدین تینوں نے بادشاہ کے تمام لشکر کو کاک (روٹیاں)، حلوہ و پان غیب سے فراہم کیے ۔اس دن سے ہی بادشاہ آپ کا مرید ہوگیا ،لیکن بعض روایات کے مطابق اس واقعہ کے چھ ماہ بعد بادشاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ کا مرید ہوا۔

کتاب سنائل کے مندرجات کے مطابق قاضی حمید الدین نے فرمایا کہ تمام لشکر کے افراد اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر بلند کریں ۔چنانچہ قاضی حمید الدین نے تمام لشکر کے سپاہیوں کے ہاتھوں پر اپنی آستین سے حلوہ، سعد الدین نے بیڑی پان اپنی آستین سے نکال کر دیئے ....

''بختیار'' کی وجہ تسمیہ مراۃ الاسرار کے مطابق یہ ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو ''بختیار'' کا خطاب عطا کیا ہے۔تب سے آپؒ کو بختیار کہا جانے لگا۔

☆☆☆☆☆

﴿باب نمبر 3﴾

ریاضت وعبادت، مجاہدہ ومشاہدہ، فقر وقناعت، توکل واطاعت

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھنا

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، قاضی حمید الدین ناگوری اور بدر الدین غزنوی دہلی کی جامع مسجد میں معتکف تھے اور عبادت الٰہی و ذکر الٰہی میں محو رہتے تھے۔ ہر ایک بزرگ نے یہ وظیفہ مقرر کیا تھا کہ دن رات میں ایک یا دو بار قرآن شریف ختم کر لیتے تھے۔ ایک رات سب نے مکمل شب بیداری کا ارادہ کیا اور دو دو رکعت نماز عجز کے ساتھ ایک ہی پاؤں پر کھڑے ہو کر پڑھیں۔ چنانچہ تینوں بزرگوں نے وضو کیا اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ قاضی حمید الدین نے امامت کی اور اول رکعت میں ہی تمام قرآن پاک ختم کر کے چار پارے زیادہ تلاوت کر دیا اور دوسری رکعت میں دوبارہ قرآن پاک پڑھ کر پورا کر لیا۔ سلام پھیرنے کے بعد تینوں بزرگوں نے ایک پیر پر کھڑے ہو کر دعا مانگی۔

"اے الٰہی! .... جیسے تیری عبادت و لیاقت کرنی چاہیے، اس طرح تو ہم سے نہ ہو سکی ہے، تو اپنے بے پایاں کرم و فضل سے ہمیں بخش دے اور ہمارے گناہ معاف فرما دے"۔

دعا مانگنے کے بعد مسجد کے ایک گوشہ سے ندائے غیبی آئی۔

"اے میرے دوستو! تم نے اچھی عبادت کی .... پس تم کو بخشا اور اپنے عاشقوں کو قبول کیا .... اور تم اپنی مراد کو پہنچے"۔

مراۃ الاسرار کے مطابق حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے رات و دن کے اوقات میں قریب قریب تین سو رکعت تک نفل نماز ادا کی۔ (کتاب راحت القلوب و کتاب مراۃ الاسرار)

بچپن میں حضرت خضرؑ سے ملاقات

بچپن سے ہی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ "اوش" میں ہمیشہ خدا کی

عبادت اور یادِ الٰہی میں محو رہے۔ جب چودہ برس کے ہوئے تو حضرت خضرؑ کی ملاقات کے لیے دل بے تاب ہوا۔ آپؒ نے سنا کہ شہر کے باہر ایک ویران سے مقام پر ایک مینار بہت بلند ہے، جہاں حضرت خضرؑ کی آمد و رفت کا امکان رہتا ہے، جو کوئی مینار پر چڑھ کر رات بھر جاگ کر حضرت خضرؑ کی ملاقات کی دعا مانگے تو یہ دعا بارگاہ الٰہی میں قبول ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک رات آپؒ بھی اس مینار پر چلے گئے اور رات بھر مصروف عبادت رہے۔ صبح کو گھر کی طرف آرہے تھے کہ راستے میں ایک اجنبی شخص سے ملاقات ہوئی۔ اس اجنبی شخص نے آپؒ سے پوچھا۔

''اے خواجہ! رات کو کہاں تھا؟''

آپؒ نے بلند مینار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

''اس مینار پر تھا''

اجنبی بولا۔

''یہ تو بہت دہشت ناک اور خطرناک جگہ ہے۔ اس مینار پر آپ کیوں گئے تھے؟''

آپؒ نے فرمایا:

''میں نے سنا تھا کہ جو شخص اس مینار پر چڑھ کر تمام رات عبادت کرے گا، اس کی حضرت خضرؑ سے ملاقات ہوگی''

اس شخص نے کہا:

''کیا اتنی سخت محنت اور مشقت کے بعد خضرؑ سے ملاقات ہوئی؟''

آپؒ نے جواب دیا:

''نہیں''

اجنبی نے پوچھا۔

''اگر خضرؑ سے آپ کی ملاقات ہو جائے تو آپ کیا چیز مانگنے کی خواہش رکھتے ہیں؟''

آپ نے کہا:

''میرا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو چکا ہے۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے، سوائے محبت الٰہی کے۔صرف اور صرف اللہ''

آپؒ کی یہ بات اس شخص کو بہت پسند آئی اور آپؒ کا ہاتھ پکڑ کر آپؒ کو اندرون شہر لے آیا اور ایک ''جامک'' کے گھر پر آواز دی ''جامک'' باہر نکلا تو اس شخص نے کہا۔

''یہ لڑکا رات کو مینارہ پر تھا اور محبت الٰہی چاہتا ہے۔اس کی معصوم خواہش پر اسے محروم نہیں رہنا چاہیے۔اس کی خواہش پوری کرو۔'' ''جامک'' یہ بات سنتے ہیں آبدیدہ ہو گیا اور کہا:

''ہم دونوں مل کر ہی اس کی خواہش پوری کر سکتے ہیں''

پس دونوں بزرگوں نے آپؒ کی تمنا پوری فرمائی اور آپ کو مراقبی تک پہنچایا۔ (کتاب جوامع الکلم)

بچپن کی عبادت وریاضت اور سوزِ دل

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ دن رات کا زیادہ حصہ مراقب رہ کر گزارتے تھے۔جب نماز کا وقت ہوتا تو آنکھ کھولتے اور غسل یا تازہ وضو کر کے نماز ادا فرماتے۔آپؒ کو اوائل عمری میں نیند بہت زیادہ آتی تھی۔مگر آپؒ طبیعت کو کنٹرول

کر کے کم سوتے تھے۔اپنی زندگی کے آخری حصے میں آپؒ زیادہ تر شب بیدار ہی رہتے تھے۔دن رات کے اوقات میں آپؒ نے کوئی لمحہ ضائع نہیں ہونے دیا اور یادالٰہی سے کبھی غافل نہیں ہوئے۔کثرت سے تلاوت کلام پاک اور ذکر جلی وخفی کرتے رہتے تھے۔

شیخ نور محمد بخشؒ نے آپ کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ:

''اوشی''اولیاء،سالکوں اور برگزیدہ مجاہدوں میں سے تھے۔گوشہ خلوت میں رہتے۔کم کھاتے،کم سوتے اور کم بولتے تھے۔ذکر ہمیشہ چلوں میں کرتے۔آپؒ پر زیادہ تر باطنی کیفیت چھائی رہتی۔آپ کو اکثر مکاشفہ ہوتا رہتا تھا۔

(کتاب اسرارالعارفین۔کتاب سیرۃ الاولیاء)

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے دل میں بچپن سے ہی ایک گہرا درد اور سوز رچ بس گیا تھا۔آپؒ کے دل میں ایک مستقل کسک بیٹھی رہتی تھی۔آپؒ کا کلی انحصار اللہ پر تھا اور دل میں دیدارالٰہی کی ایک لافانی تمنا جاگزیں تھی۔آپؒ کے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں طلب الٰہی کا ایک ایسا لازوال جوہر تھا،جس کی ضیاپاشی ہر لمحہ بڑھتی ہی جارہی تھی اور آپؒ پر ایک سرشاری وبے نیازی کیفیت طاری رہتی تھی،لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپؒ کو کسی پل چین نہ آتا تھا۔آپؒ اکثر دروازہ بند کر کے اپنے حجرہ میں بیٹھے رہتے کسی سے صحبت نہ رکھتے تھے۔جب آپؒ کے جمال مبارک کو دیکھنے کی خلق خدا بہت اصرار کرتی تو اس وقت خادم آپؒ کے پاس جاتا اور آپ سے خلقت کی بے تابی کا احوال عرض کرتا۔جب آپ خلقت کو ملاقات کی اجازت دیتے تو جم غفیر اللہ آتا۔آپؒ اٹھتے،سب پر شفقت کی نظر فرماتے اور خادم کو اشارہ کرتے کہ ہر ایک آدمی کو پانی کا ایک پیالہ پلا کر رخصت کیا جائے۔خلقت پانی پیتی اور آپ سامنے کھڑے رہتے اور مواعظہ حسنہ سے نوازتے۔جب سب لوگ پانی پی لیتے تو پھر آپ مشفقانہ گفتگو فرما کر سب کو رخصت کرتے۔

ایک دن آپؒ کی مجلس میں''سلوک''کا ذکر ہورہا تھا۔آپؒ پر اس ذکر کے دوران کسی نکتہ سے سرور کی کیفیت چھاگئی اور متحیر رہ گئے .... باربار ٹھنڈے اور لمبے سانس بھر کر رونے لگے اور سات دن تک یہی حالت آپؒ پر طاری رہی مگر بوقت نماز

آپ جماعت کے ساتھ نماز ادا فرماتے اور آپؒ کا پھر وہی حال ہو جاتا۔ مگر آپؒ صبر کیساتھ یہ سب کچھ برداشت کرتے رہے۔ (کتاب جامع الکلم۔ کتاب افضل الفوائد)

درود شریف کا ورد اور بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قبولیت

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اپنے آبائی شہر "اوش" میں ہر شب تین ہزار بار درود شریف پڑھ کر سوتے تھے۔ آپؒ جو درود پاک پڑھتے تھے یہ تھا:

اللھم صلی علیٰ محمد عبدک و نبیک و رسولک النبی الامی و الہٖ وسلم

اس دوران آپؒ نے ایک عورت سے نکاح کر لیا اور تین دن تک آپؒ سے درود پاک کا ورد چھوٹا رہا۔ تیسرے دن "رئیس" نامی ایک شخص نے خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑا قبہ ہے اور اس کے گرد خلقت کا ہجوم ہے۔ ایک پست قامت شخص اس کے اندر آ جا رہا ہے اور خلقت سے سوال و جواب کرتا ہے۔ خواب میں ہی معلوم ہوا کہ وہ پستہ قامت شخص عبداللہ ابن مسعود ہیں۔ چنانچہ رئیس آگے بڑھ کر ان کے قریب پہنچا اور عرض کی کہ رسولِ مقبولؐ تک میرا اسلام پہنچا دو اور یہ بھی عرض کر دو کہ بندہ آپؐ کے جمال کے دیدار کا طالب ہے۔ عبداللہ ابن مسعود قبہ کے اندر جا کر باہر آئے اور بتایا کہ بارگاہ نبویؐ سے حکم ہوا ہے کہ:

"آپ میں یہ لیاقت اور حوصلہ نہیں ہے کہ مجھے دیکھ سکو، مگر جاؤ اور بختیار کاکی کو میرا اسلام پہنچا دو اور اس سے کہنا کہ ہر شب جو وہ تحفہ مجھے بھیجتا تھا اور مجھے راحت ہوتی تھی، اب تین دنوں سے اس نے یہ تحفہ نہیں بھیجا۔ شاید کوئی چیز یہ تحفہ بھیجنے میں مانع ہو رہی ہے"

یہ رئیس جب بیدار ہوا تو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے پاس آیا اور خواب میں دیکھا ہوا واقعہ بیان کیا تو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے اس عورت کو جملہ مہر وغیرہ دے کر طلاق دے دی اور پھر مستعدی سے درود پاک کا ورد معمول بنا لیا۔

آپؒ کے کمسن بیٹے کی وفات اور قرآن میں آپ کا انہماک

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا ایک فرزند کم سنی میں وفات پا گیا۔ جب آپؒ اس کو دفن کر کے گھر آئے تو اس کی ماں کی رونے کی آواز آپؒ نے سنی۔ آپؒ کے استفسار پر بتایا گیا کہ بیٹے کے غم کی وجہ سے ماں رو رہی ہے۔ آپؒ کو اس بات پر افسوس ہوا کہ ہم مشیت ایزدی پر راضی نہیں ہیں۔ پھر آپؒ نے فرمایا کہ اگر بیٹے کی زندگی کے لیے دعا مانگتا تو ضرور اللہ تعالیٰ قبول فرماتے لیکن میں مصلحتِ الٰہی جان کر رضائے الٰہی پر راضی رہا.............سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا ظرف بہت اعلیٰ تھا۔ آپؒ کے دو لڑکے تھے۔ ایک تو کم سنی میں وفات پا گیا، دوسرا بڑا ہوا جس سے پیدائش و نسب قائم ہوا۔ اس کی اولاد سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کے وقت تک موجود تھی۔

(کتاب سیرۃ الاولیاء)

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو قرآن مجید حفظ تھا اور دن رات تلاوت آپؒ کا معمول تھی لیکن جب آپ قرآن پاک میں تنبیہ اور وعید کی آیات پڑھتے تو رونے لگتے۔ یہاں تک کہ آپ بےہوش ہو جاتے اور جب ہوش آتا تو پھر تلاوت شروع کر دیتے اور جب رحمت و عنایت الٰہی کی آیات پڑھتے تو آپ پر سرشاری و خوشی کا احساس چھا جاتا اور آپؒ وجد میں آ جاتے۔ اس حالت میں آپؒ کے لبوں پر حسب حال شعر رواں ہو جاتے۔

آپؒ پر جب محبت الٰہی کا شوق غالب آتا تو دن رات یادِ الٰہی میں مستغرق رہتے۔ آپؒ کے قلب کی اتھاہ گہرائیوں میں اللہ کی یاد نقش و پیوست ہو گئی تھی۔ ایسی حالت میں آپؒ دن رات مصلے پر ہی رہتے تھے۔ (کتاب مراد المریدین۔ سیرۃ الاولیاء)

کرامت کے اظہار پر ناپسندیدگی اور فرامین

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی یہ عادت تھی کہ حتی المقدور اپنے زہد و ریاضت کو مخفی رکھنے کی کوشش کرتے اور اپنی زندگی کے ایسے پہلو جن میں یادِالٰہی و محبت الٰہی کا غلبہ ہوتا، مخلوق سے چھپاتے تھے۔ آپؒ اپنے مریدوں اور طالبوں کو بھی ایسی کیفیات مخفی رکھنے کی نصیحت فرماتے تھے۔ خصوصاً کرامت ظاہر کرنے کی آپؒ سخت ممانعت فرماتے تھے۔

ایک مجلس میں آپؒ سے حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر اور آپؒ کے خلیفہ خاص نے کسی خصوصی کام کی اجازت طلب کی، جس سے کرامت وغیرہ ظاہر ہو تو آپؒ نے فرمایا:

"یہ چیزیں فقیروں کے لیے سخت آفت اور مصیبت ہیں۔ ہمارے سلسلہ میں ایسی باتوں کی ممانعت کی گئی ہے، جس چیز سے عوام میں شہرت کا اندیشہ ہو، وہ باعث مصیبت ہے"

اپنے اس فعل پر حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کو بعد ازاں بہت افسوس ہوا۔ بار بار یہ بات دہراتے تھے کہ میں نے ایسی بات آخر کیوں کی جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو ناگوار محسوس ہوئی۔ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کے بقول ایک دن حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے سرور و شوق کی حالت میں فرمایا۔

"جس کسی نے حق کی راہ میں استقامت دکھائی اور منزل مقصود تک پہنچا اور جس کی زبان اس کے عمل کے موافق رہی اور اپنی زبان خدا کی تعریف اور توصیف میں مصروف رکھی تو گویا اس نے ذات احد سے باتیں کیں اور اپنی آنکھ سے اس کا جمال دیکھا اور حقیقی طور پر بینا ہوا۔ جس نے اس کی وحدت کی شراب پی وہ مرد کامل ہوا اور اس میں مستی پیدا ہوئی اور اس کا غلغلہ عرش سے فرش تک بلند ہوا۔ جس نے زمین و آسمان کو ہلا دیا"۔

چنانچہ حضرت نظامی نے اس ہی طرف اشارہ کر کے بذیل قطعے میں ارشاد فرمایا ہے۔

چو مست خلوتش گشتی فلک را خیمہ برہم زن

ستون چرخ در جنباں طناب آسمان درکش
طریقش بیقدم میزن حد شیش بے زباں میگو
جمالش بے بصیری بیں شراالنش بیدن یا درکش
(کتاب فوائد الفوائد۔کتاب افضل الفوائد)

مسلمان بقال کے قرض سے اجتناب

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ نے اپنی معاش مشیتِ ایزدی کے تابع کر رکھی تھی۔آپؒ کی زندگی فقر وفاقہ میں گزرتی تھی۔آپؒ کا دستر خوان اعلیٰ کھانوں سے مزین نہیں ہوتا تھا۔آپؒ وقتاً فوقتاً اپنے کھانے کی ضرورت پوری کرنے کے لیے ایک مسلمان بقال (دوکاندار) جو آپؒ کا ہمسایہ تھا، سے کچھ قرض لے لیتے تھے اور یہ بات اسے پیشگی بتا دی تھی کہ جب قرض کی رقم تین سو درہم تک ہو جائے تو پھر یہ رقم چکانے کے بعد مزید قرض دینا ورنہ قرض دینے سے انکار کر دینا۔آپؒ کے پاس جب کوئی چیز تحفے میں آتی تو پھر آپؒ اس بقال کا قرض چکا دیتے۔کچھ عرصہ بعد آپؒ نے فیصلہ کیا کہ اب کسی صورت قرض نہیں لینا چاہیے، کیونکہ رزق دینے کا وعدہ تو اللہ نے فرما رکھا ہے۔پھر میں کیوں قرض لوں جب اللہ تعالیٰ کو میرا سب احوال معلوم ہے تو پھر قرض لینا چہ معنی دارد؟

جب آپؒ اپنے اس فیصلہ پر کاربند ہوئے تو بلاناغہ ایک قرص کاک (روٹی) مصلیٰ کے نیچے سے نکلنا شروع ہو گیا۔بقال سے جب آپؒ نے کافی عرصہ قرض نہ لیا تو اس نے اپنے تئیں گمان کر لیا کہ شاید حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں تب ہی قرض نہیں لیتے۔چنانچہ اس نے آپؒ کے گھر کا احوال دریافت کرنے اور ناراضگی کی وجہ معلوم کرنے کی خاطر اپنی بیوی کو آپؒ کے گھر بھیجا۔آپؒ کی زوجہ محترمہ نے بقال کی بیوی کو بتا دیا کہ ہر روز حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ کو مصلے کے نیچے سے

خدا ایک قرص کاک دیتا ہے، جسے ہم شکم سیر ہو کر کھا لیتے ہیں.............. اس دن کے بعد مصلے کے نیچے سے پھر کاک نہیں نکلا۔ آپؒ نے اپنی زوجہ محترمہ سے پوچھا کہ "مصلے کے نیچے سے کاک نکلنے کے بارے میں کسی کو بتایا تو نہیں ہے؟"

زوجہ نے جواب دیا کہ "بقال کی بیوی کو یہ بات میں نے بتا دی تھی"۔

بیوی کا جواب سن کر آپؒ نے سکوت فرمالیا۔ (کتاب اسرار الاولیاء)

التمش بادشاہ کی نذر

ایک بار سلطان شمس الدین التمش نے اپنے ایک خادم کو اشرفیوں کی تھیلی بطور نذر دے کر آپؒ کی خدمت میں بھیجا.............. آپؒ نے بادشاہ کی یہ نذر قبول نہیں کی اور بادشاہ کے خادم کو مخاطب کر کے فرمایا:

"یہ اشرفیوں کی تھیلی الٹے پاؤں واپس لے جاؤ اور بادشاہ کو میرا پیغام دینا کہ" میں آپ کو اپنا اچھا دوست سمجھتا ہوں اور آخر میرے ساتھ دشمنی کرنے پر کیوں کمربستہ ہو جاتے ہو، جس چیز کو اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں انسان کا دشمن قرار دیتے ہیں اور تنبیہ فرماتے ہیں کہ میرے دوست دولت پرستی سے پرہیز کرتے ہیں اور اس سے اپنا دامن کلیتاً بچا کر رکھتے ہیں۔ اس چیز سے مجھے آلودہ کرنا چاہتے ہو۔ یہ ہمارے ساتھ دشمنی نہیں تو اور کیا ہے؟؟"

اکثر اوقات قطب الدینؒ کا گھرانہ فاقہ سے رہتا تھا۔ آپؒ کے ساتھ اہل و اعیال، اطفال اور خادمین و درویش بھی فاقہ کرتے تھے اور سب چھوٹے بڑے اس تنگی و عسرت پر شائستہ صبر سے کام لیتے تھے اور خدا کے حضور اپنے اس حال پر بھی انتہا درجہ شکر گزار رہتے تھے کہ جس نے ان کے لیے فاقہ کو پسند فرمایا۔ ایسی حالت میں اگر آپؒ کے ہاں کوئی مسافر آجاتا تو آپ اپنے خادم مولانا بدر الدین غزنوی (جو مرید اور خادم خانقاہ تھے) کے

ہاں اشارہ سے یہ کہہ کر بھیج دیتے کہ آب موجود ہے تو لاؤ۔ کیونکہ آج کا دن بخشش اور عطا سے خالی نہ جائے اور پھر وہاں سے ملنے والا "کاسۂ آب" آپ ہر ایک مسافر کو دیتے۔

(نوٹ) کتاب راحت القلوب سے یہ واقعہ نقل ہوا ہے۔ 1309ہجری میں مطبع ہند فیض بازار دہلی سے شائع ہونے والی کتاب کے اصل متن میں الفاظ "کاسہ آب" یعنی پانی کا پیالہ لکھا ہے اور یہ بات معلوم نہیں ہو پاتی۔ مولانا بدرالدین غزنوی آپؒ کے ہاں آنے والے مسافروں کے طعام کے لیے کیا چیز دیتے تھے؟ اور کاسہ آب سے کوئی ایسا مفہوم اخذ کرنا بعید از قیاس ہے)۔ (کتاب تذکرۃ الاصفیا۔ راحت القلوب)

حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کا اپنا فقر و فاقہ مخفی رکھنا

ایک بار آپؒ کے گھر مسلسل تین فاقے ہوئے۔ آپؒ کا ایک بیٹا جو کمسن تھا، نے اپنی کمسنی اور ناپختگی کے باعث اپنے ایک ہم عمر دوست سے یہ بات کہہ دی کہ ہمارے گھر تیسرا فاقہ ہے۔ آپؒ کے لڑکے کے دوست نے یہ تمام ماجرا اپنے گھر جا کر بیان کیا تو اس لڑکے کا والد اپنے گھر سے کھانا تیار کروا کر آپؒ کے گھر لایا اور عجز و انکساری سے آپؒ سے عرض کی۔

"مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ کے گھر تین دنوں سے فاقہ ہے، میں نادم ہوں کہ پہلے آپؒ تک کھانا نہ پہنچا سکا"۔

آپؒ نے یہ سن کر فرمایا: "کس گردن ٹوٹے نے میرا فقر ظاہر کیا"

آپؒ کا یہ فرمانا تھا کہ آپؒ کا لڑکا جو کھیل رہا تھا گر پڑا اور اس کی گردن کا مہرہ ٹوٹ گیا۔ چند ساعتوں بعد یہ لڑکا فوت ہو گیا۔ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ جب اس کے کفن دفن سے فارغ ہو کر گھر آئے تو اس بچے کی والدہ کی رونے کی آواز آپؒ کے کانوں میں پڑی۔ یہ صورتحال دیکھ کر آپؒ نے افسوس کا اظہار فرمایا کہ اگر میں اللہ تعالیٰ سے بیٹے کی زندگی کی دعا مانگتا تو

اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتے اور اس کی ماں کو یہ دکھ نہ پہنچتا۔

حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ اپنے فقر وفاقہ کی حالت اپنے کسی خاص معتقد اور مخلص پر بھی ظاہر نہ ہونے دیتے تھے۔ آپؒ کی یہ کوشش رہتی تھی کہ کسی کو بھی آپؒ کے فاقہ کی خبر نہ ہو۔ اس فاقہ کی حالت میں بھی اگر بادشاہ یا بادشاہ کا کوئی امیر کوئی چیز بھیجتا تو آپؒ قبول نہ فرماتے تھے۔ ایک دن سلطان شمس الدین نے اپنے ایک آدمی کے ذریعے بہت سی سونے اور چاندی کی تھیلیاں آپ کی خدمت میں نذرانہ کے طور پر بھیجیں مگر آپ نے ان تھیلیوں کی طرف مطلق دیکھا ہی نہیں اور فرمایا:

''اس زر کو لے جا کر سلطان کو واپس کر دو اور کہہ دو کہ میں تو سلطان کو اپنا دوست سمجھتا تھا، مگر جب غور کرتا ہوں تو سلطان مجھے دشمنی پر آمادہ نظر آتا ہے۔ جس چیز کو خدا دشمن قرار دے رہا ہے، وہ دوستوں کو بھیجتا ہے۔''

بادشاہ کا وزیر

شیخ فرید الدین گنج شکر ایک دن اپنے پیر ومرشد حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کی خدمت میں حاضر تھے کہ سلطان شمس الدین کا ایک وزیر آپؒ کے ہاں آیا اور ایک طشت (تھالی) اشرفیوں کی بھری ہوئی اور ایک شاہی فرمان جس میں دس گاؤں کی آمدن آپؒ کے نام لکھی تھی۔ سلطان کی طرف سے آپؒ کی خدمت میں پیش کی اور اسے قبول فرمانے کی استدعا کی اور کہا کہ بادشاہ نے اظہار بندگی و دوستی کی خاطر یہ طشت زر، اور ''فرمان'' آپ کے غلاموں کے لیے بھیجا ہے۔

حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ نے بادشاہ کے وزیر کی استدعا پر تبسم کر کے فرمایا:

''ہمارے پیروں نے ایسی چیزیں قبول نہیں کی ہیں، اس لیے میں یہ نہیں لیتا''۔

وزیر نے بڑی عاجزی کے ساتھ آپؒ کی منت وسماجت کرنا شروع کر دی، لیکن

آپؒ نے یہ چیزیں قبول نہ کیں اور فرمایا کہ اگر میں اپنے پیشرووں کی مطابقت نہ کروں گا اور گاؤں کی آمدن اور زر قبول کر لوں تو میں قیامت کے دن اپنے بزرگوں اور پیروں کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ اور ان کے زمرہ میں کیونکر شامل ہوں گا۔ ان چیزوں کے طالب اور بہت لوگ ہیں، ان کو دے دو۔ بادشاہ کا وزیر آپؒ کو منانے میں ناکام رہا اور یہ چیزیں لے جا کر بادشاہ کے حوالہ کر دیں۔ (کتاب اسرار الاولیاء۔ راحت القلوب)

☆☆☆☆☆

﴿باب نمبر 4﴾

حوض شمسی، حضرت سلیمانؑ پیغمبر اور حضرت خضرؑ

سلطان التمش کا حوض حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ کے روضہ مبارک کے قریب ہی واقع ہے۔ آپ اکثر اس حوض پر چلے جاتے اور کافی وقت لب حوض پر گزارتے تھے۔

سلطان شمس الدین التمش اہل ولایت میں سے تھا۔ جس کام میں اسے مشکل پیش آتی یا تردد ہوتا تو خواب میں رسول مقبولؐ کی زیارت کی سعادت حاصل کرتا اور وہ مشکل دور ہو جاتی اور وہ کام بخوبی پایہ تکمیل تک پہنچ جاتا .... ایک دن بادشاہ کے دل میں خیال آیا کہ اگر کسی جگہ سے صاف و میٹھے پانی کا چشمہ نکل آئے تو وہ اس جگہ پر ایک حوض تعمیر کروائے گا۔ کیونکہ اس کی عاقبت کے لیے اس سے بہتر توشہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ سوچ بادشاہ پر پوران دن حاوی رہی اور رات کو سوتے وقت بھی سلطان کے دل و دماغ پر یہی سوچ چھائی ہوئی تھی۔ چنانچہ اسی فکر میں محو سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ حضرت رسالت مابؐ اپنے چند اصحاب خاص کے ساتھ تشریف لائے۔ آپؐ کی زلفیں عنبریں شانوں پر تھیں۔ یہ ایک میدان تھا اور سلطان نے خود کو حوض کی تعمیر کی فکر میں اس میدان میں کھڑے پایا۔ آپؐ نے اسے اپنے پاس بلایا۔ سلطان دوڑ کر گیا اور اپنی دونوں آنکھیں آپؐ کے پائے مبارک سے ملیں۔ آپؐ نے تبسم کے ساتھ فرمایا:

"تیرا ارادہ حوض بنانے کا ہے"

سلطان نے عرض کی: جی یا رسول اللہ، آپؐ فرمائیں تو بنیاد رکھوں؟

اسی لمحے آپؐ کے گھوڑے کے سُم کے نیچے سے (جس جگہ اب چبوترہ بلند اور گنبد بنا ہوا ہے) سُم کی مقدار اتنا ایک چشمہ جاری ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اس جگہ حوض بنا، یہ پر فیض جگہ ہے اور پانی میٹھا ہے"

صبح ہوئی تو سلطان شمس الدین التمش اپنے لشکر کے ہمراہ اس میدان کی تلاش میں نکلا جو رات کو خواب میں اسے دکھایا گیا تھا۔ تلاش کرتے کرتے بالآخر اس میدان میں جا پہنچا۔ دیکھا کہ ایک میٹھا تازہ چشمے کا پانی بہہ رہا ہے۔ بادشاہ نے اسی جگہ حوض بنانے کا حکم

دیا۔سلطان کے حکم پر یہ حوض بہت جلد تیار ہو گیا۔صاف وسموم فضاء میں یہ حوض ایک پرفیض مقام ہے۔حضرت خضرؑ ہر صبح وشام اس جگہ تشریف لاتے ہیں۔سلطان شمس الدین التمش نے اپنی حیات میں خود چند بار حضرت خضرؑ کو فرد قید برنیہ انہیں اس مقام پر دیکھا ہے اور ان کے ساتھ کلام کیا ہے.................اکثر شہداء، عالم، ارواح اور اقطاب وابدال وقت اس حوض پر آتے ہیں۔مصنف کتاب ہذا نے چند مرتبہ اس حوض پر ایسے بزرگوں کی صحبت پائی ہے اور فیض حاصل کیا ہے۔یہ عجیب سرزمین ہے، جس سے اب تک محبت و بے خودی کی خوشبو آتی ہے۔اس حوض مبترک کا ایک وصف یہ ہے کہ بے چھت کی مسجد میں (جس کو حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی مسجد بھی کہتے ہیں) جو شخص رات کو قیام کر کے شب بیداری کرے اور صدق دل و سچی لگن سے عبادت کرے تو صبح کو اس کی حضرت خضرؑ سے ملاقات ہوگی اور رات کو جو دعا مانگے گا قبول ہوگی۔یہ سب برکتیں اور فیض اس سبب سے ہے کہ باعث تخلیق کائنات نور اول، محسن انسانیت یہاں تشریف لا چکے ہیں اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ جیسے عاشق صادق و محترم شہباز (بزرگ) اس جگہ محو استراحت ہیں۔

اس سرزمین پر اگلے وقتوں میں جب حضرت سلیمانؑ کا گزر ہوا تو حضرت سلیمانؑ نے دیکھا کہ آسمان سے زمین تک فرشتے گروہ در گروہ نور کے طبق لاتے ہیں اور اس جگہ دفن کرتے ہیں۔حضرت سلیمانؑ نے پوچھا۔

''یہ آرائش وزیبائش کی جگہ اور فضا کس مرد با صفا کا مسکن ومدفن ہوگی؟ تمام روئے زمین پر ایسا ماجرا میں نے نہیں دیکھا''

فرشتوں نے عرض کی:

''یہ زمین و مسکن اور مدفن حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ محبوب الٰہی کا ہے۔آپؒ امت رسول نبی آخر الزمان میں پیدا ہوں گے اور زمین کے اس منور کیے جانے والے ٹکڑے میں آرام فرمائیں گے''۔حضرت سلیمانؑ فرشتوں کی یہ بات سن کر خوش ہوئے اور اپنی منزل کی طرف چلے گئے۔

اب تک بدستور اس سرزمین پر نور کا نزول ہو رہا ہے اور قیامت تک جاری رہے

گا.............روضہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ پر جو نور سے معمور دسرور بھری فضا ہے، وہ جنت الفردوس کے مشابہ ہے۔

اگــــر فــــردوس بــــر روئــــے زمیــــن اســــت
ہمیــن اســت و ہمیــن اســت و ہمیــن اســت

(کتاب مفتاح الطالبین)

حوض شمسی کے خواص

ایک بار حضرت سلطان المشائخ حضرت خواجہ سید محمد نظام الدین اولیاء محبوب الہٰی کی مجلس میں حوض شمسی کے پانی اور اس کی برکات وفیوض کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ آپؒ نے فرمایا:

''میں نے سنا ہے کہ سلطان شمس الدین التمش کے مرنے کے بعد ایک شخص نے سلطان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا سلوک فرمایا؟''

سلطان نے جواب دیا ''میں اس حوض کے باعث بخشا دیا گیا ہوں''۔

پھر آپؒ نے فرمایا:

''	سلطان کا ارادہ تھا کہ اہل شہر کے لیے ایک حوض بنوائے کیونکہ یہاں کی زمین کوہستانی تھی اور پانی بہت کم دستیاب تھا۔ اہل شہر کو پانی کی دقت اور تکلیف تھی۔ انہیں بہت دور سے پانی لانا پڑتا تھا۔ اپنے اسی ارادہ کے دوران سلطان نے ایک شب خواب دیکھا۔ (خواب کا تذکرہ گزشتہ سطور میں مفصل آچکا ہے)۔ (کتاب فوائد الفوائد)

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ اکثر حوض سلطان پر یاد الٰہی میں مستغرق رہتے تھے۔ ایک دن آپؒ شیخ حمید الدین محمد عطا ناگوری، خواجہ محمود ابو سعید، شیخ بدر الدین غزنوی اور شیخ تاج الدین منور اوشی کے ہمراہ حوض سلطان کے قریب ''مسجد خواجہ بزرگ'' میں بیٹھے تھے کہ اچانک ایک شخص شیر پر سوار کبود پوش (.................) ظاہر ہوا۔ حوض کے

کنارے پر آ کر شیر سے اترا۔ کپڑے اتار کر غسل کیا اور دوگانہ (دو رکعت نماز) ادا کیا
............پھر شیر پر سوار ہو کر بلند آواز سے پکارا۔
''بندہ جناب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، ابو سعید اور محمد عطا کو بصد ادب نیاز پیش کرتا ہے''
پھر دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو گیا۔ پھر اس شخص کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔
(کتاب سیر العارفین)

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا ملفوظ

کتاب مفتاح الطالبین میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا ملفوظ درج ہے، (جس کو مولانا خضر نے تالیف کیا ہے)
حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ فرماتے ہیں:
''ایک رات میں حوض شمسی کی طرف پیٹھ کیے ہوئے پرانی عید گاہ میں بیٹھا عبادت میں مصروف تھا۔ جب فجر کا وقت ہوا تو ایک مرد نورانی غیب سے مسجد میں نمودار ہوا۔ با آواز بلند اذان دی اور سنت ادا کر کے مراقبہ میں بیٹھ گیا۔ اس اثناء میں حضرت خضرؑ تشریف لائے اور آ کر اس شخص کے برابر میں بیٹھ گئے۔ جب صبح کی سفیدی پھیلی تو دونوں صاحبان اٹھے، تکبیر کہی اور مجھے امامت کروانے کا اشارہ کیا۔ دونوں بزرگوں نے میری اقتداء میں نماز ادا کی۔ جب میں نے سلام پھیرا تو وہ شخص جو پہلے آیا تھا اٹھا اور مسجد سے باہر نکل کر غائب ہو گیا۔ حضرت خضرؑ نے مجھ سے پوچھا۔
''اس شخص کو جانتے ہو؟'' میں نے عرض کیا ''نہیں''۔
خضرؑ نے فرمایا: ''یہ شخص تبریز شہر میں صاحب خانقاہ اور فلاں بزرگ کا سجادہ نشین ہے۔ ایک دفعہ خانقاہ کے نزدیک کوئی حلوہ بنا رہا تھا تو حلوہ کی خوشبو ان کو محسوس ہوئی اور طبیعت نے حلوہ کھانے کا تقاضا کیا۔ انہوں نے اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہا اے نفس! تو ان دوجو کی روٹی پر قانع نہیں رہ سکتا اور

راضی ہے، صابر و شاکر نہیں ہوتا جو میں تجھ کو حلال کی محنت سے کھلاتا ہوں اور تو حلوہ کھانے کی آرزو کرتا ہے۔
اتنا کہہ کر یہ شخص اٹھا اور شہر سے باہر نکل گیا.............. آج بارہ سال گزر چکے ہیں، یہ شخص ہمیشہ سیر کرتا پھرتا ہے اور نفس کو سوائے گھاس پھونس اور درخت کے تلخ پتوں کے کچھ نہیں دیتا۔ اکثر غزنی کی گلیوں میں پھرتا رہتا ہے۔ آج دوسری مرتبہ اس شخص نے اس جامع مسجد میں فجر کی نماز ادا کی ہے"۔

پھر خضرؑ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"یہ دو مقام، حوض اور پرانی عید گاہ عجب راحت دینے والے ہیں، جو کوئی چاہتا ہو کہ جلد مراد حاصل کرے، وہ ان دونوں مقامات پر جا کر دعا کرے، انشاء اللہ قبول ہوگی"۔

☆☆☆☆☆

﴿باب نمبر 5﴾

(تبصرہ مولف/مصنف)

(راقم الحروف (محمد بولاق) اس باب میں سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں کا احوال، تعین وطن ومدفن مدت حیات وتاریخ وفات کا باب مجمل احوال بیان کرے گا۔علاوہ ازیں راقم اپنا شجرہ بھی بیان کرے گا۔اس چھوٹی سی کتاب کا مقصد تالیف صرف حضرت خواجہ قطب الدینؒ کے حالات زندگی مجملاً بیان کرنا ہے۔حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ ،حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری قدس اللہ سرہ کے مرید وخلیفہ ہیں۔راقم الحروف نے (محمد بولاق ہمشیر زادہ حضرت نظام الدین اولیاء) اس شجرہ عالیہ کا آغاز حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے کیا ہے۔اس کے بعد راقم الحروف نے اپنا شجرہ جو رسولؐ خدا سے شروع ہو کر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی پر منتج ہوگا، رقم کیا ہے۔تا کہ طالبانِ حق مستفید ہو کر مجھے دعائے خیر سے یاد کریں ....اگر کسی جگہ سہواً غلطی رہ گئی ہو تو معاف فرما دیں۔شکریہ (سید محمد بولاق)

حضرت خواجہ سید معین الدین چشتی اجمیریؒ اپنے مرشد کی خدمت میں

حضرت خواجہ سید معین الدین چشتی اجمیریؒ بن غیاث الدین حسن سنجری حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے مرید وخلیفہ ہیں۔آپؒ کے نسب کا سلسلہ حضرت امام حسینؑ بن امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے............آپؒ شہر سنجر (جو سیستان میں واقع ہے) میں پیدا ہوئے اور آپؒ کی پرورش ملک خراسان میں ہوئی۔کتاب سیر العارفین کے مطابق جب آپؒ پندرہ(15) برس کے ہوئے تو آپؒ کے والد گرامی غیاث الدین حسن (جو صاحب جائیداد اور متمول شخص تھے) وفات پا گئے۔والد گرامی کا کل ترکہ آپ کے تصرف میں آیا۔ایک دن حضرت خواجہ معین الدین چشتی اپنے موروثی باغ میں بیٹھے تھے کہ خواجہ ابراہیم (مجذوب) اس باغ میں تشریف لائے۔آپؒ بہت خوش ہوئے اور بڑھ چڑھ کر ان کی تعظیم وادب کیا۔اور انگوروں کا بھرا ہوا ایک طباق (تھال) ان کی خدمت میں پیش کیا۔خواجہ ابراہیمؒ نے بڑی رغبت اور شوق سے آپؒ کے پیش کردہ انگور کھائے اور انگور کھانے کے دوران ہی ایک کھلی کا ٹکڑا انہوں نے بغل میں دبا رکھا تھا نکالا اور اپنے لعاب دہن سے تر کر کے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو کھانے کے لیے دیا۔جوں ہی آپؒ نے یہ ٹکڑا کھایا تو آپ کے اندر باطنی نور پیدا ہو گیا اور آپؒ کا دل مادی مال واسباب کی فراوانی سے اچاٹ ہو گیا۔چنانچہ آپؒ نے وراثت میں ملی ہوئی تمام جائیداد ومال واسباب فقیروں اور محتاجوں میں تقسیم فرما دیا اور فقر وقناعت اور توکل کر کے مسافرت اختیار کر کے شہر بخارا وسمرقند چلے آئے اور یہاں پر آپؒ نے کلام الٰہی حفظ کیا اور علوم ظاہری کی تکمیل کی۔لیکن ان علوم کے حصول کے باوجود آپ اپنے آپ کو تہی دامن اور اندر سے خالی محسوس کرتے تھے۔ان چیزوں سے مدعا اصل آپؒ کو حاصل نہ ہوا تو پھر آپؒ مرشد کامل کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگے اور جب قصبہ ہارون (جو نواح نیشا پور میں واقع ہے) میں پہنچے تو حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ان کی باعظمت شخصیت نے آپؒ کا دل موہ لیا۔چنانچہ آپؒ اڑھائی برس تک ان کی خدمت میں حاضر باش رہ کر زیر تربیت رہے۔حضرت خواجہ معین الدین چشتی اپنی تصنیف "انیس الارواح" میں خود تحریر فرماتے ہیں (یہ بات شاید مصنف سیر العارفین کی نظر سے نہیں گزری) کہ جب یہ عاجز دعا گو شہر بغداد میں پہنچا تو حضرت خواجہ عثمان

ہارونیؒ سے حضرت جنید بغدادی کی مسجد میں شرف ملاقات حاصل کیا اور اسی وقت مرید ہو گیا۔ حضرت عثمان ہارونیؒ نے میرے حق میں دعا فرمائی اور میرے سر کے بال منڈھوا کر اپنی ٹوپی پہنا کر مجھے اس سعادت سے بھی سرفراز کیا اور جو نعمت باطنی مجھے دینے کا ارادہ رکھتے تھے اسی وقت مجھے دے دی اور ارشاد فرمایا:

"تیرے لیے میری صحبت میں چند ایام گزارنا لازمی ہیں"۔

ان کے اس ارشاد سے مجھ پر انمٹ خوشی کا احساس طاری ہو گیا اور دل و جان سے کے مکمل میلان کے ساتھ ان کی خدمت میں رہنے لگا۔ ان ہی ایام میں میرے مرشد کریم نے حج کا سفر اختیار فرمایا اور اس بندہ ناچیز نے ان کی معیت میں حج کی سعادت بھی حاصل کی۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ نے غریب نوازؒ کا ہاتھ پکڑا اور ان کے حق میں دعا فرمائی "الٰہی معین الدین کو قبول فرما اور مقرب بارگاہ کر"۔ اس مناجات کے بعد ندا آئی۔ "ہم نے معین کو قبول کیا"۔ اس ندا پر حضرت خواجہ غریب نوازؒ بے اختیار رو رہے تھے۔ خواجہ عثمان ہارونیؒ بولے "معین الدین تیرے لیے یہ خوشی کا مقام ہے کہ تیرا نام اللہ کے محبوب بندوں میں لکھا گیا اور تجھے سرکردہ مشائخ کا درجہ عطا کیا گیا ہے۔" زیارتِ خانہ کعبہ کے بعد حضرت خواجہ غریب نوازؒ مرشد کامل کے زیرِ سایہ دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچا اور حرم نبویؐ میں حاضری دی۔ آپ فرماتے ہیں: "مرشد نے مجھ سے کہا کہ سلام کر" میں نے ہدیہ تسلیم پیش کیا۔ آواز آئی: "وعلیکم السلام یا ولدی قرۃ العینی سراج کل اتی قطب المشائخ بر و بحر۔" یہ آواز سن کر خواجہ عثمان ہارونیؒ نے فرمایا: "اب تو درجہ کمال کو پہنچ گیا ہے"۔

"جا تو کامل ہو گیا" لیکن یہ درویش ناچیز پھر بھی بیس برس تک اپنے مرشد کی معیت میں رہا۔ ان سے جدا ہونے کے تصور سے ہی دل میں ہول اٹھنے لگتے۔ میری خواہش تھی کہ مرشد مجھے جدا نہ کریں۔ میں مرشد کے وضو کا برتن اور دیگر اشیاء جامہ خواب وغیرہ اپنے سر پر اٹھائے ان کے ساتھ ساتھ چلتا رہتا تھا۔ شاید کہ مرشد کو میری یہ ادا پسند آجائے............ الغرض جب ہم بغداد واپس آئے تو مرشد نے مجھ کو حسب الحکم رسول خدا احیاء و تبلیغ دین کی غرض سے ہندوستان کی طرف روانہ کیا۔

(کتاب انیس الارواح)

حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی دہلی آمد

حضرت خواجہ معین الدین چشتی حسن سنجری اپنے چالیس اصحاب کے ہمراہ دہلی شہر میں تشریف لائے۔اس وقت دہلی "رائے پتھورا" کی تخت گاہ تھی۔رائے پتھورا قوم چوہان سے تھا اور چوہان مسلمان کا منہ نہیں دیکھا کرتے تھے۔اگر کسی جگہ مسلمان کو موجود پاتے تو اسے تکلیف دیتے تھے۔حضرت خواجہ معین الدین چشتی چند مہینے دہلی میں رہے۔ آپؒ نے اس جگہ قیام فرمایا تھا، جہاں حضرت شیخ رشید مکیؒ کا مزار ہے۔

ایسے پر خطر کفرستان میں حضرت بختیار کاکیؒ اپنے چالیس اصحاب کے ہمراہ بلا خوف و ہراس بلند آواز میں اذان کہتے رہے۔یہ بات اس علاقے کے غیر مسلموں کو سخت نا گوار گزرتی تھی۔جس سے ان کی دشمنی میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔یہ غیر مسلم چاہتے تھے کہ کسی طرح حضرت خواجہ غریب نوازؒ کو شہید کر دیں اور اس کام کی خاطر وہ ہر ہتھکنڈہ اور حربہ اختیار کرنے پر تیار تھے۔ان لوگوں نے باقاعدہ ایک سازش تیار کی اور ایک شخص کو آپؒ کے عقیدت مندوں کے روپ میں آپؒ کی خدمت میں بھیج دیا، جس نے اپنے لباس میں چھرا چھپا رکھا تھا تاکہ اپنے فاسد ارادہ کے ساتھ مناسب موقع پا کر آپؒ کو شہید کر دے ....آپؒ کی بصیرت پر اس شخص کے تمام مکروہ عزائم اور خیالات ظاہر ہو گئے۔ جب وہ کافی وقت آپؒ کے عقیدت مندوں کے ہمراہ آپؒ کی مجلس میں بیٹھا رہا تو آپ نے تبسم فرما کر اس آدمی سے پوچھا۔

"اے شخص! تو کیوں اپنے ارادہ کو عملی جامہ نہیں پہناتا۔اپنے لباس سے چھری نکال کر مجھ پر کیوں نہیں چلاتا"

آپ کا ارشاد سنتے ہی وہ شخص خوفزدہ ہو کر تھر تھر کانپنے لگا اور اپنی بغل میں چھپائی ہوئی چھری نکال کر پھینک دی اور آپؒ کے قدموں میں گر کر مسلمان ہو گیا۔اس دن سے گردو نواح کی آبادی میں آپ کا چرچا بڑھنے لگا اور لوگ آپؒ کے عقیدت مند ہو گئے۔خلق خدا کے غول

ہر روز آپؒ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ آپؒ کو یہ بات پسند نہ تھی۔ آپؒ گوشہ خلوت میں رہنے کو ترجیح دیتے تھے۔ چنانچہ جب لوگوں کا اژدھام ہونے لگا تو آپؒ دہلی چھوڑ کر اجمیر شریف چلے گئے اور پھر تمام عمر وہیں رہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ جب اجمیر تشریف لائے تو رائے پتھورا راجہ آپؒ کی خوارق عادات دیکھ کر سخت متعجب ہوا۔ دل میں غمگین اور رنجیدہ ہو گیا کیونکہ اسے اپنا اقتدار ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا، مگر بڑا زیرک اور ہوشیار تھا، اپنی قلبی مایوسی و اضطراب کو ظاہر نہ ہونے دیا، لیکن اس کو یہ پختہ یقین ہو گیا تھا کہ جس دن سے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ہندوستان تشریف لائے ہیں، اس دن سے ہی اس کی سلطنت کا زوال شروع ہو چکا ہے۔ نیز اس کے اضطراب و بے چینی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کا گرو ''جے پال جوگی'' خواجہ بزرگ کی بہت سی کرامتیں دیکھ کر اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی پرعظمت شخصیت سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا تھا اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا بہت زیادہ عقیدت مند بن چکا تھا۔ (کتاب مراۃ الاسرار)

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا دل مسلمانوں کی تکالیف پر بہت کڑھتا۔ اس ملک میں یہ بہت ہی بے بس و بے بضاعت لوگ تھے۔ آپؒ نے دلی کے ہندو حکمران ''رائے پتھورا'' کو پیغام بھیجا کہ وہ مسلمانوں کی تکالیف دور کرنے کے اقدامات اٹھائے، لیکن اس نے ایسا کوئی قدم جس سے مسلمانوں کو راحت پہنچتی ہو اٹھانے سے صریحاً انکار کر دیا۔ آپ کی ولایت کو جلال آ گیا آپؒ نے ہندو حکمران کی مسلمان دشمنی کا یہ طرز عمل دیکھ کر فرمایا۔

''میں نے پتھورا کو زندہ پکڑ کے دے دیا''۔

انہی دنوں سام الملقب شہاب الدین غوری غزنی سے ہندوستان پر حملہ آور ہوا، رائے پتھورا نے سخت مقابلہ کیا مگر بری طرح شکست ہوئی اور شہاب الدین غوری کے لشکر کے ہاتھوں زندہ گرفتار ہو گیا۔ بعد ازاں سلطان شہاب الدین غوری نے اس کو جہنم رسید کر دیا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی نسبی اولاد

صوفیاء کے متلاشیان پر واضح ہو کر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیری کی اولاد کے بارہ میں جو کچھ کتاب ''اکبرنامہ'' اور ''اقبال نامہ جہانگیری'' میں لکھا ہے وہ تو معلوم و معروف ہے مگر سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں کے ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی بیویاں اور بچے تھے۔ سلطان التارکین مولانا حمید الدین سوائی خواجہ کے خلیفہ اپنے ملفوظ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک رات رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواجہ سے خواب میں فرمایا کہ:

''اے معین الدین! تو میرے دین کا معاون ہے۔ تعجب ہے کہ تو نے میری سنتوں میں سے ایک سنت کو ترک کر دیا ہے'' (یعنی نکاح نہیں کیا)۔

رات کو آپؒ نے خواب دیکھا اور صبح ہوئی تو ملک خطاب نامی قلعہ دار (گڑھ سٹیھلی غالباً جگہ کا نام ہے) جو آپؒ کا مرید تھا، نے ایک جنگ کے دوران ایک راجہ کی لڑکی، جس کو قیدی بنالیا گیا تھا، آپؒ کی خدمت میں بغرض نکاح بھیجی، جس سے نکاح کرنا آپؒ نے قبول فرمالیا۔ آپ کی صاحبزادی بی بی حافظہ جمال اسی کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ چند دنوں بعد سید وجیہ الدین (عم سید حسین مشہدی) نے امام جعفر صادقؓ کو خواب میں دیکھا کہ آپؓ نے فرمایا کہ اپنی صاحبزادی ''بی بی عظمت'' کا حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے نکاح کر دے۔ سید وجیہ الدین نے اپنا یہ خواب حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے بیان کیا۔ چنانچہ آپؒ نے بی بی عظمت سے بھی نکاح کیا اور ان سے دو صاحبزادے خواجہ فخر الدین اور خواجہ حسام الدین پیدا ہوئے۔ خواجہ حسام الدین بچپن میں ہی ''ابدال'' ہو گئے اور ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ تاہم خواجہ فخر الدین صاحب اولاد تھے، جو حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے وصال کے بعد بھی بیس برس تک بقید حیات رہے اور قصبہ ''سروار'' (جو کہ اجمیر سے سولہ کوس کے فاصلے پر ہے) میں وفات پائی۔ قصبہ سروار میں

جو حوض ہے، اس حوض کے کنارے پر آپؒ مدفون ہیں۔خواجہ فخر الدین کے ایک فرزند جن کا نام خواجہ حسام الدین تھا، سلطان المشائخ کی خدمت میں رہتے تھے، قصبہ ''سانجھر'' میں مغرب کی جانب اجمیر کے راستے میں سر راہ ان کی مرقد مبارک ہے۔تصوف سے رغبت رکھنے والے اور روحانیت کے طالبعلموں کو ان مقامات کی زیارت کرنا چاہیے۔بی بی حافظہ جمال روضہ حضرت معین الدین چشتی کی پائنتی کی جانب مدفون ہیں، جن سے خلقِ خدا فیض اٹھاتی ہے۔(کتاب سیر الاولیاء)

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا وصال

کتاب الفوائد کے مطابق ''خواجہ احمد'' نام کے ایک بزرگ آپؒ کی اولاد میں سے تھے۔نہایت پاک باطن تھے۔ان بزرگ کے بھائی ''خواجہ وحید'' بڑی آرزو سے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے مرید ہوئے تھے۔لوگ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی اولاد کا انکار کرتے ہیں۔ان کو پیران چشت کے ملفوظات سے پوری واقفیت نہیں ہے۔حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی تاریخ وفات پر بھی مورخین کا اختلاف ہے۔بعض کے نزدیک حضرت خواجہ قطب الدینؒ کی وفات کے چند ماہ بعد آپؒ کا انتقال ہوا ہے۔یہ درست نہیں ہے۔اس لیے کہ حضرت خواجہ قطب الدینؒ اپنی کتاب دلیل العارفین میں رقمطراز ہیں۔

''پنجشنبہ میں اس دعا گو کو اجمیر کی جامع مسجد میں آپؒ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا ہے۔بہت سے اہل باطن حاضر تھے اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ملک الموت کا تذکرہ فرما رہے تھے اور روتے جاتے تھے۔الغرض جب یہ تذکرہ تمام ہوا تو آپؒ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا:

اے درویش! قضا و قدر مجھے یہاں لائے ہیں اور میرا دفن بھی یہیں ہوگا اور چند

ہی ایام میں، میں اس عالم ناپائیدار سے سفر کروں گا"۔ پھر خواجہ علی سنجری سے فرمایا "خلافت کی مسل لکھو کہ میں نے خواجہ قطب الدین بختیار کو اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے اور پیران چشت کا سجادہ ان کے سپرد کردیا ہے"

جب یہ مسل (لکھی ہوئی فائل دستاویز) تیار ہوئی تو یہ دعا گو (قطب الدین بختیار کاکیؒ) آپؒ کے سامنے جھک کر کھڑا ہوگیا۔ آپؒ نے فرمایا میرے قریب آؤ۔ چنانچہ میں مزید جھک کر آپؒ کے نزدیک ہوگیا تو آپؒ نے اپنے سر سے پگڑی اتار کر میرے سر پر رکھدی اور پھر اپنے مرشد خواجہ عثمان ہارونی کا عصا، مصلی، مصحف اور نعلین (جوتے) مجھے عنایت کر کے فرمایا:

"حضرت رسولؐ خدا کی امانت میں نے تجھے عطا کی۔ جا تجھے خدا کو سونپا"

مجھے جب ان سے رخصت ہوکر دہلی آئے ہوئے چالیس دن گزرے تھے کہ ایک شخص نے اجمیر سے آکر بتایا کہ آپؒ کو رخصت کرنے کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ بیس دن زندہ رہ کر انتقال فرما گئے تھے..................۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے پہلے رحلت فرمائی ہے۔ آپؒ کی تاریخ وفات 6 ماہ رجب المرجب بروز یکشنبہ 632 ہجری ہے۔ (کتاب سیر الاولیاء۔ کتاب الفوائد)

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ حضرت حاجی شریف زندنی کے مرید و خلیفہ ہیں۔ آپ کی جنم بھومی قصبہ "ہارون" ہے۔ یہ قصبہ خراسان شہر کے نواح میں ہے۔ ایک روایت کے مطابق یہ قصبہ ملک فرغانہ میں ہے۔ فرغانہ جو ماوراالنہر میں واقع ہے..................آپؒ کی کرامات اور خوارق عادات

بہت ہیں۔آپؒ کو کمال کا تصرف حاصل تھا۔آپؒ کا ادنیٰ تصرف یہ ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ جیسے شہباز کو آپؒ نے ترتیب دی اور ظاہر و باطن سے آراستہ و پیراستہ کر کے واصل حق کر دیا۔حضرت خواجہ عثمان ہارونی فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو فخر ہے کہ معین الدین جیسا شخص میرا مرید ہے۔کتاب گنج الاسرار میں تحریر ہے کہ:

''حضرت خواجہ عثمان ہارونی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو دیکھنے کے لیے دہلی تشریف لائے تھے۔مگر یہ روایت ضعیف ہے۔صحیح روایت یہ ہے کہ جب حضرت عثمان ہارونی طویل سفر کے بعد مکہ پہنچے تو وہیں معتکف ہو گئے اور دوران اعتکاف اسی جگہ چھتاریخ کو اور بعض اقوال کے مطابق پندرہ ماہ شوال 607 ہجری میں وفات پائی اور مکہ معظمہ کے نواح میں مدفون ہوئے اور آپ کا مزار اب تک مرجع خواص و عام ہے(کتاب لکھتے وقت مصنف،مولف نے یہ جملہ لکھا ہے:اس وقت آپ کی مرقد کے بارہ میں کوئی آگہی راقم کو نہیں)۔

حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی قدس سرہ العزیز

حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی قدس سرہ العزیز حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی کے مرید و خلیفہ ہیں۔آپؒ کو تصرفات ظاہری و باطنی پر عبور حاصل تھا۔کتاب سیر الاولیاء کے مطابق سلطان سنجر سلجوقی کو مرنے کے بعد ایک شخص نے خواب میں دیکھا اور پوچھا:

''خدا نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟''

اس نے جواب دیا:

''جب عذاب کے فرشتوں نے مجھے دوزخ میں لے جانے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:اس کو چھوڑ دو..........اس شخص نے ایک بار حاجی شریف زندنی سے دمشق

کی مسجد میں ملاقات کر کے قدم بوسی کا شرف حاصل کیا ہے۔اس کی برکت سے میں نے اس کو بخش دیا۔کیونکہ خواجہ حاجی شریف میرا دوست اور پیشوائے عالم ہے۔"

یہ تھا رتبہ اور مقام حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے دادا مرشد کا۔حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی قدس سرہ العزیز کی تاریخ وفات معلوم نہیں۔آپؒ کا مزار مبارک زندنہ ملک بخارہ میں ہے اور آپ کا مزار زیارت گاہ ہر خواص وعام ہے۔

حضرت خواجہ سید قطب الدین مودود چشتیؒ

آپ حضرت خواجہ سید معین الدین چشتی اجمیری کے دادا پیر کے مرشد ہیں۔آپ اپنے والد بزرگوار کے مرید تھے۔آپ کے والد صاحب کا نام گرامی خواجہ ابو یوسف ناصر الدین چشتی تھا، جو صاحب کرامت ولی تھے۔آپ کا مفصل احوال تحقیق طلب ہے۔محترم سید محمد بولاق ہمشیرہ زادہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء مصنف ومولف کتاب ہذا نے آپؒ کا مختصر تذکرہ کیا ہے۔

سیر الاولیاء میں تحریر ہے کہ جب آپؒ کا اس دنیائے ناپائیدار سے منتقلی کا وقت آیا اور آپؒ پر نزع کا عالم طاری ہوا تو اس وقت ایک غیبی شخص جو بہت باعظمت، باوقار اور رعب والا تھا، آپؒ کے قریب آیا اور ایک حریر کا ٹکڑا جس پر بہت باریک عبارت میں ایک خط تحریر تھا، آپؒ کو پیش کر کے کہا کہ یہ آپؒ کی طرف خدا تعالیٰ نے بھیجا ہے۔آپؒ نے اس خط کو بغور پڑھا اور سعادت وخوشی سے اس ٹکڑے کو اپنی آنکھوں پر لگایا۔اسی لمحہ آپؒ کی روح مبارک قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔آپؒ کا جنازہ تیار کیا گیا اور لوگوں نے چاہا کہ آپؒ کا جنازہ اٹھا کر لے جائیں، لیکن باوجود کوشش وبسیار کے آپؒ کا جنازہ جگہ سے نہ اٹھ سکا۔لوگ حقابقا رہ گئے کہ یہ کیا ماجرا ہے! خلقت اسی حیرانی وپریشانی کے عالم میں تھی کہ ایک ندائے غیبی سنائی دی:

''سب لوگ جنازہ سے ہٹ جاؤ''

اس غیبی آواز کی پکار سن کر سب آپؒ کے جنازہ سے دور ہو گئے تو لوگوں کے دور ہٹ جانے کے بعد مردان غیب کا ایک سلسلہ شروع ہوا، جنہوں نے صف بندی کر کے آپؒ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد آپؒ کا جنازہ ہوا میں بلند ہو گیا اور ہوا کے دوش پر چلتا ہوا جائے مدفن تک پہنچ گیا۔ آپؒ کی وفات ماہ رجب 520 ھجری میں ہوئی اور آپ چشت ہرات افغانستان میں مدفون ہیں۔

حضرت خواجہ سید ابو یوسف ناصر الدین چشتیؒ
(والد گرامی حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی

آپؒ کے بارہ میں کتاب کے اصل متن میں بہت مختصر تذکرہ ہے۔ آپ کے حالات زندگی تعلیم و تربیت کا کوئی ذکر موجود نہیں۔ حضرت ابو یوسف ناصر الدین چشتی کے والد محترم کا نام ''محمد سمعان'' تھا۔ ''کتاب نفحات الانس'' کے مطابق آپؒ خواجہ ابو محمد چشتی کے مرید و خلیفہ ہیں۔ آپ کا ظاہر و باطن انتہا درجہ مصفّٰی اور نہایت اعلیٰ تھا۔ آپؒ صاحب تصرف بزرگ تھے۔ آپؒ نے 64 برس کی عمر میں وفات پائی۔ جب آپؒ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی کو اپنے قریب بلایا۔ آپؒ کے یہ صاحبزادے آپ کے نہایت مطیع و فرماں بردار تھے، جن کو اپنے والد گرامی سے خصوصی انس و محبت تھی۔ آپؒ نے ان کو اپنے قریب بلا کر کچھ نصیحتیں کر کے اپنا جانشین مقرر فرمایا اور کچھ ہدایات دیں۔ آپ نے 64 برس کی عمر میں چار ربیع الاول 459 ھجری میں وفات پائی انا للہ وانا الیہ راجعون۔۔ آپ کا مزار مبارک چشت ہرات افغانستان میں ہے (آپ امام علی نقیؑ کی اولاد میں سے ہیں) (فہیم کاظمی)

حضرت خواجہ ابو محمد چشتیؒ

حضرت خواجہ ابو محمد چشتیؒ حضرت ابو یوسف ناصر الدین چشتی کے مرشد اور حضرت خواجہ ابو احمد چشتی کے مرید و خلیفہ ہیں۔آپؒ نے ماہ رجب 414 ھجری میں وفات پائی۔مولف/مصنف کتاب سید محمد بلاق رقمطراز ہیں کہ آپ کے کمالات اس مختصر کتاب میں نہیں لکھے جاسکتے۔لیکن آپ کی زندگی کا احوال کون کون سی کتب میں مرقوم ہے، اس کا کوئی تذکرہ مصنف/مولف نے نہیں کیا ہے۔کتاب کے اصل متن میں جو اسلوب تحریر اپنایا گیا ہے، اس میں ایک ہی پیراگراف میں تسلسل کے ساتھ سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں کا تذکرہ ہے۔ہر نئے آنے والے نام کو کتاب کی عام عبارت سے نمایاں کرنے کے لیے نسبتاً موٹا کردیا گیا ہے، لیکن بعض بزرگان سلسلہ چشتیہ کے تذکرہ میں کچھ زیادہ تفصیل دی گئی ہے، جس سے چھوٹے چھوٹے عنوانات قائم کیے جاسکتے ہیں۔حضرت ابو محمد چشتیؒ کا مدفن قصبہ چشت ہرات افغانستان میں ہے۔

حضرت خواجہ ابو احمد چشتیؒ

کتاب "نفحات الانس" کے مطابق خواجہ ابو احمد حضرت خواجہ ابو اسحق شامی کے مرید اور خلیفہ تھے اور سلطان فرتسناقہ جو شرفائے حسینی اور میرانِ ولایت (سالارانِ ولائت) میں سے ہیں۔ آپؒ کے والد گرامی جو کل پیران چشت کے سردار گردانے جاتے ہیں۔آپ بالاتفاق قطب و ابدال تھے۔آپؒ کا تصرف تمام روئے زمین پر تھا۔حضرت خواجہ ابو احمد نے طویل عمر پائی۔آپ بنو عباس کے چھٹے خلیفہ ابو اسحاق معتصم باللہ کے زمانہ خلافت، 3 جمادی الثانی 260 ہجری میں پیدا ہوئے تھے اور 95 برس کی عمر میں 10 جمادی الآخر 355 ھجری میں وفات پائی۔آپؒ کا روضہ اقدس بھی قصبہ چشت میں واقع ہے کیونکہ آپ قصبہ چشت ہرات افغانستان میں ہی مدفون ہوئے ہیں۔

حضرت خواجہ ابواسحٰق شامی

آپؒ حضرت خواجہ ممشاد دینوری کے مرید تھے۔آپؒ نے بغداد میں آپؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت لی۔کتاب لطائف اشرفی میں رقم ہے کہ جب حضرت خواجہ ابو اسحٰق شامی مرید ہونے کے ارادے سے حضرت خواجہ ممشاد دینوری کے پاس بغداد پہنچے تو حضرت ممشاد دینوری نے آپؒ سے استفسار فرمایا:

''اے درویش تیرا نام کیا ہے؟''... آپؒ نے جواب دیا:.. ''ابواسحٰق شامی''

حضرت ممشاد دینوری نے آپؒ کا جواب پا کر فرمایا:

''آج سے لوگ آپؒ کو ابواسحٰق چشتی کہا کریں گے کیونکہ قصبہ چشت اور اس کے قرب و جوار کی رعیت تجھ سے ہدایت پائے گی اور تو قیامت تک ''چشتی'' نام سے پکارا جائے گا۔

آپؒ یہ فرمان سن کر خوشی سے سرشار ہو گئے اور مرشد کے حکم کے موافق قصبہ چشت میں آ کر مقیم ہو گئے۔سلسلہ چشتیہ آپؒ سے چلا۔ایک طویل مدت کے بعد آپ ملک شام واپس آئے۔آپؒ نے قصبہ ''مکہ'' (ملک شام کے علاقہ میں) میں 14 ربیع الثانی کو وفات پائی اور قصبہ مکہ میں ہی مدفون ہوئے۔

حضرت خواجہ ممشاد دینوریؒ

حضرت خواجہ ممشاد دینوریؒ انتہا درجہ عابد و زاہد تھے۔آپؒ حضرت خواجہ ہبیرہ بصریؒ کے مرید ہیں۔آپؒ نے اپنی ساری زندگی میں دن کے وقت کوئی چیز نہیں کھائی اور نہ کوئی چیز پی۔حتیٰ کہ آپ نے شیر خوارگی کے دوران بھی دن کو دودھ نہیں پیا۔رات کو ہی دودھ پیتے تھے۔آپ صائم الدہر اور مادرزاد ولی تھے۔آپؒ سماع کو بہت پسند فرماتے

تھے۔ملفوظات اور شجرہ پیرانِ چشت میں آپؒ کا نام گرامی ''خواجہ ممشاد علو دینوری'' لکھا ہے۔تاہم کتاب ''نفحات الانس'' اور چند دوسری کتابوں میں آپ کا نام خواجہ ممشاد علو دینوری بھی بیان ہوا ہے۔آپ کی وفات کا سال وسن معلوم نہیں۔صرف یہ درج ہے کہ آپ کی وفات 14 محرم الحرام کو ہوئی۔

حضرت خواجہ ہبیرۃ البصریؒ

حضرت خواجہ ہبیرہ بصریؒ قدس اللہ العزیز نے حضرت خواجہ سدیدالدین حذیفۃ المرعشی سے خلافت حاصل کی۔آپؒ بہت زیادہ ریاضت کرتے تھے۔خاندان ہبیری آپؒ سے ہی رائج ہوا ہے۔آپؒ کے مریدین ''ہبیری'' کہلاتے تھے۔آپؒ کے مریدین ہرلحہ یادِ حق میں مصروف ومشغول رہتے تھے اور ہدایات وضوابط کے مطابق ہمیشہ باوضو رہتے۔یہ لوگ حضورِ قلب کے ساتھ نماز کی ادائیگی کرتے تھے اور خود کو فقر وفاقہ کی عملی مشقوں سے گزارتے تھے۔اکثر روزہ رکھتے اور تین تین،چار چار دن بعد جنگل کے پھلوں سے روزہ افطار کرتے تھے۔سید محمد بلاق کی لکھی ہوئی کتاب کے اصل متن میں آپ کی تاریخ وفات کا سال درج نہیں ہے۔(کتاب سفینۃ الاولیاء کا حوالہ دے کر صرف اتنا تحریر ہے کہ'' تیرہویں ماہ مذکور کو آپؒ نے وفات پائی''۔اس جملہ سے کسی مہینہ وسال کا تعین ناممکن ہے۔ کتابت کی ہوئی اس کتاب میں کتابت کی بھی بہت سی اغلاط ہیں۔ایک ہی نام کو مختلف طرح سے لکھا گیا ہے۔ 1309 ہجری میں طباعت ہونے والی اس کتاب کو طباعت کروانے والے پبلشر نے یقیناً ان اغلاط کی طرف بہت کم توجہ دی ہے۔اس طرح اس کتاب سے قطعی اور حتمی مفہوم اخذ کرنا بعض جگہوں پر ناممکن ہے۔(مرتبین)

حضرت خواجہ سید سدید الدین حذیفۃ المرعشیؒ

تاریخ تصوف کی مشہور و معروف شخصیت حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھم سے حضرت خواجہ سدید الدین حذیفۃ المرعشیؒ نے بیعت حاصل کی اور آپؒ کے مرید ہوئے۔ محنت و ریاضت اور لیاقت کے باعث حضرت ابراہیم بن ادھم نے آپ کو سند خلافت عطا فرمائی۔ آپؒ کو "مرعشی" اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ کا تعلق ملک شام کے ایک شہر "مرعش" سے رہا ہے۔ اس نسبت سے آپؒ مرعشی کہلاتے ہیں۔ حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھم نے جو نعمت باطنی حضرت خضرؑ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت فضیلؒ سے حاصل کی تھی وہ آپؒ کو عنایت فرمادی۔ اس کا تمام احوال روضۃ الاحباب میں مرقوم ہے۔ یہ مختصر کتاب اس تفصیل کی متحمل نہیں ہو سکتی............حضرت خواجہ سدید الدین حذیفۃ المرعشیؒ کی تاریخ وفات کا سال کسی کتاب میں درج نہیں ہے۔ صرف تاریخ درج ہے، جس کے مطابق آپ کا وصال 14 ماہ شوال کو ہوا۔

حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھمؒ

آپؒ کا احوال تاریخ کی بہت سی کتابوں میں درج ہے۔ ابو اسحٰق آپؒ کی کنیت ہے اور "ادھم" آپ کے والد گرامی کا نام ہے۔ آپؒ کے دادا محترم کا نام سلیمان تھا، جو منصور بلخی کے فرزند تھے۔ منصور بلخی بادشاہ بلخ کے بھائیوں میں سے تھے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم نے خرقہ خلافت حضرت فضیل بن عیاض سے حاصل کیا۔ آپؒ نے ترک و تجرد اور ریاضت میں اس قدر مشقت کی کہ مقبول بارگاہ الٰہی بن گئے۔

تذکرۃ الاولیاء و لطائف اشرفی کے مطابق آپؒ نے حضرت امام باقرؑ سے بھی خرقہ خلافت پایا ہے اور حضرت ابو حنیفہ کی صحبت میں بھی بہت دنوں تک رہے۔ شیخ فرید

الدین عطار کہتے ہیں کہ جب آپؒ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپؒ غائب ہو گئے۔ بعض روایات کے مطابق آپؒ امام احمد حنبل کے برابر بغداد میں دفن ہیں۔ بعض کے نزدیک آپ کا روضہ ملک شام میں واقع ہے۔ جہاں حضرت لوطؑ کا مزار ہے، وہاں آپؒ دفن ہیں۔ آپؒ کی وفات 161 ہجری ماہ شوال میں بنی عباس کے تیسرے خلیفہ ابو عبداللہ کے عہد خلافت میں ہوئی۔

حضرت خواجہ فضیل بن عیاضؒ

آپؒ کے مرشد کا نام حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید تھا۔ آپؒ نے بصد شوق حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید سے بیعت حاصل کی اور مرید ہوئے۔ بعد ازاں مرشد نے آپ کو اپنی خلافت سے بھی نوازا۔ کتاب "نفحات الانس" کے مطابق آپ کی کنیت ابو علی اور کوفہ آپ کا وطن تھا۔ کتاب "تذکرۃ الاولیاء" میں یہ تذکرہ ہے کہ خواجہ فضیل ابتداء میں راہزنوں کے ایک گروہ کے سردار تھے، جو کچھ راہزنی سے حاصل ہوتا، اس سے کسی جگہ مسجد تعمیر کروا دیتے تھے۔ ایک بار آپ اپنے گروہ کے ہمراہ ایک قافلہ کے پاس پہنچے تو قافلہ میں ایک شخص نے یہ آیت پڑھی۔

ترجمہ: "کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ تمہارا دل بیدار ہو۔"

آپؒ نے جب یہ آیت سنی تو آپؒ کا دل بھر آیا اور اس میں سوز و گداز پیدا ہو گیا۔ چنانچہ حضرت خواجہ فضیل بن عیاض نے اسی وقت راہزنی سے توبہ کی اور جو کچھ راہزنی کے ذریعے چھینا تھا، وہ مالکوں کے گھروں تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد کوفہ میں آ کر حضرت امام ابو حنیفہ کی صحبت اختیار کر لی اور بہت سے اولیاء کرام سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ پھر مکہ معظمہ میں آ کر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ ایک دن مکہ میں ایک قاری نے سورہ القارعہ پڑھنی شروع کی، جس کو سن کر آپؒ نے ایک نعرہ بلند کیا اور یادِ الٰہی میں جان دے دی۔ یہ واقعہ ماہ محرم 167 ہجری کا ہے۔ مکہ معظمہ میں مزارات عالیہ کے پاس آپؒ کا مدفون ہے۔

حضرت خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ

حضرت خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ نے حضرت خواجہ حسن بصری سے باطنی فیض پایا تھا۔ آپؒ حضرت خواجہ حسن بصری سے بیعت ہوئے اور مرشد کی زیر نگرانی سیر و سلوک کی منازل طے کیں۔ حضرت خواجہ حسن بصری نے آپ کو اپنی خلافت بھی عطا فرمائی۔ علاوہ ازیں آپ نے حضرت خواجہ کمیل بن زیاد سے بھی خرقہ پایا۔ آپؒ کی پیدائش بصرہ میں ہوئی۔ امام عبداللہ کی لکھی ہوئی تاریخ کی کتاب کے مطابق خواجہ عبدالواحد نے چالیس برس تک عشاء کے وضو سے نماز فجر ادا کی اور ایسی ریاضت سے مقبولِ بارگاہ الٰہی ہو گئے اور اللہ کے ہاں بڑا مقام پایا۔ آپؒ کے کمالات کی کوئی انتہا نہیں۔ آپؒ نے شہر بصرہ میں ہی وفات پائی۔ آپ نے 27 ماہ صفر 167 ہجری کو وصال فرمایا۔

حضرت خواجہ حسن بصریؒ

آپ کا نام حسن بصری، کنیت ابو سعید و ابو احمد ہے۔ آپ نے اپنی زندگی کے اوائل میں موتیوں کی تجارت کی۔ اس لیے آپ کو حسن لولو بھی کہا جاتا ہے۔ آپ منبع ولایت و عرفان باب العلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بیعت ہوئے اور حضرت امام حسنؑ بن علیؑ اور خواجہ کمیل بن زیادؓ سے بھی فیض صحبت پایا ہے۔

روضۃ الاحباب کی آخری جلد میں تحریر ہے کہ آپؒ کے والد گرامی نے 12 ہجری میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ہاتھ پر اسلام کی واحد نیت قبول کی اور مسلمان ہوئے۔ چونکہ آپؒ بہت زیادہ خوبصورت تھے، اس لیے حضرت عمرؓ نے آپ کا حسن نام رکھا۔ کتاب منتخب التواریخ کے مطابق خواجہ ابو سعید بصری نے ہشام بن عبدالملک کے دور میں ماہ رجب 110 ہجری میں 69 برس کی عمر میں وفات پائی۔ بصرہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر آپ مدفون

ہوئے۔

حضرت امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہا لکریم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت ابو طالبؑ کے بیٹے تھے۔ ابوطالبؑ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن مناف۔ آپ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد بنت ہاشم بنت عبد مناف تھیں۔ آپؑ کی ولادت بروز جمعہ ماہ رجب المرجب کی 13 تاریخ اصحاب الفیل کے واقعہ کے 30 سال بعد اندرون خانہ کعبہ میں ہوئی۔ بڑے ہو کر خرقۂ خلافت آپؑ نے نبی اکرمؐ سے پایا۔ آپؑ کی کنیت ابوتراب و ابوالحسن تھی۔ آپؑ کا لقب مرتضٰی، خاتم الاولیاء، اسد اللہ، ولی اللہ ہے۔ آپؑ کو تمام سلاسل طریقت ولائت وعرفان کا منبع قرار دیتے ہیں۔ ہجرت کے دوسرے برس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پیاری بیٹی سیدہ حضرت بی بی فاطمۃ الزہرہ سلام اللہ علیہا کا آپؑ سے نکاح کر دیا۔ اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی عمر 25 برس تھی اور حضرت سیدہ بی بی فاطمۃ الزہرہ سلام اللہ علیہا کی عمر 13 برس تھی۔

کتاب روضۃ الصفا کے مندرجات کے مطابق جس دن فجر کی نماز کے وقت آپ نے شہادت کا مرتبہ پایا، اس رات بھر آپ مصروف عبادت رہے۔ عین حالت نماز میں "عبدالرحمٰن بن ملجم نے زہر آلودہ تلوار سے آپؑ کے سر پر وار کیا، جس سے آپؑ کے سر کی ہڈی کاٹ کر تلوار نیچے تک اتر گئی۔

کتاب سیر الاولیاء کے مطابق عبدالرحمان ابن ملجم نے یہ کام معاویہ کے اشارہ پر کیا۔ تاریخ دانوں کا آپؑ کی تاریخ وصال میں اختلاف ہے، لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ 19 رمضان المبارک 40 ہجری میں آپؑ کے سر پر زخم آیا اور 21 رمضان المبارک کو آپؑ نے وفات پائی۔ آپؑ نجف اشرف میں مدفون ہوئے۔ آپؑ کی مدت خلافت 4 برس 9 ماہ اور عمر تقریباً 63 برس تھی۔

جب تک حضرت بی بی فاطمہؑ زندہ رہیں، آپؑ نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔حضرت فاطمہؑ نے 11ہجری میں وفات پائی۔آپؑ کی کل ازواج سے 18فرزند اور بعض روایات کے مطابق 12بیٹے اور 15بیٹیاں تھیں۔آپؑ کے پانچ بیٹے صاحب اولاد ہوئے ہیں۔باقی کے ہاں اولاد نہیں ہوئی۔آپؑ کے صاحب اولاد فرزندان کے نام یہ ہیں۔

ا۔حضرت امام حسنؑ وحضرت امام حسینؑ (والدہ ماجدہ حضرت بی بی فاطمہؑ)

۲۔حضرت محمد حنیف (والدہ ماجدہ حضرت اسماءؓ)

۳۔حضرت عمر (والدہ ماجدہ حضرت بی بی حلمہؓ)

۴۔حضرت عباسؓ (والدہ ماجدہ حضرت بی بی ام البنینؓ)

خاتم الانبیاء رحمۃ اللعالمین

حضرت محمد مصطفےٰ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت محمدؐ کے والد ماجد کا نام عبداللہ تھا، جو حضرت مطلب کے سب سے زیادہ شریف النفس اور پاکباز بیٹے تھے۔حضرت عبداللہ، حضرت عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف کے بیٹے تھے۔آپ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی آمنہ بنت وہب بنت عبد مناف ہیں۔آپؐ کا اسم شریف توریت، انجیل مقدس اور لوح محفوظ پر حامد درج ہے۔آپ کی کنیت ابوالقاسم اور آپؐ کے نسب کا سلسلہ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ تک پہنچتا ہے۔

کتاب روضۃ الاحباب اور دوسری کتابوں میں درج ہے کہ دسویں ماہ ربیع الاول دوشنبہ کے دن صبح کے وقت طلوع آفتاب سے قبل ''نوشیرواں'' بادشاہ کے عہد میں فیل کے سال کے آغاز میں آپ کی ولادت با سعادت ہوئی۔

معارج النبوۃ کے مطابق حضرت آدمؑ سے چھ ہزار سات سو بچاس برس پہلے اور حضرت عیسیٰؑ سے چھ سو برس بعد آپؐ کا اس دنیا میں ظہور رہوا۔جب آپؐ دو ماہ کے تھے تو آپؐ کے والد ماجد انتقال فرما گئے۔آپ کی عمر چھ برس ہوئی تو والدہ ماجدہ بھی انتقال فرما

گئیں۔آپؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے آپ کی پرورش کی۔جب آپ آٹھ برس کے ہوئے تو فرشتوں اور مردان غیب نے آپؐ کے پاس حاضری دی اور آپ کی اطاعت قبول کی۔پچیس برس کی عمر میں آپؐ نے حضرت بی بی خدیجہؓ سے نکاح کیا اور تیس برس کی عمر میں قریش کے اتفاق رائے سے خانہ کعبہ کو ڈھا کر تعمیر کروایا اور حجر اسود کو اٹھا کر اپنی جگہ پر اپنے ہاتھوں سے نصب فرمایا۔چالیس برس کی عمر میں آپؐ پر وحی کا نزول شروع ہوا اور جب آپؐ اکتالیس برس کے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا۔

حضرت جبرئیل امینؑ قرآن پاک کی پہلی آیت ''اقراء باسم ربک الذی'' .... اس وقت لے کر آئے جب آپؐ نماز پڑھ رہے تھے اور آپؐ کو طریقہ وضو اور نماز کی ترتیب سکھائی۔بعد ازاں حضرت جبرائیلؑ نے امامت کی اور آپؐ نے ان کی اقتداء میں نماز ادا فرمائی .... بعد از سلام حضرت جبرائیلؑ امین نے فرمایا کہ وضو کا طریقہ میں نے بتا دیا ہے اور نماز کی ترتیب بھی آپؐ نے دیکھ لی ہے، .... اب یہی طریقہ قدیم مشائخوں میں جاری ہے کہ تلقین کے وقت اپنے مریدوں کو دو رکعت نماز پڑھاتے ہیں اور طریقہ وضو و نماز کا بتاتے ہیں۔

اعلان نبوت کو دس برس گزرتے تھے کہ آپؐ کے پیارے چچا حضرت ابو طالبؑ اور حضرت خدیجہؓ بھی وفات پا گئیں۔اسی برس حضرت رسول مقبولؐ نے بی بی عائشہ صدیقہ بنت حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت بی بی سودہؓ بنت ربیعہ سے نکاح کیا۔اعلان نبوت کے تیرہ برس کے بعد آپؐ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی۔دو ربیع الاول ہجرت کے چدرہویں برس دوشنبہ کے دن حضرت رسولِ خدا نے انتقال فرمایا۔آپؐ کی وفات کی تاریخ میں بہت اختلاف ہے۔مگر سلطان المشائخ نے حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کے بیان کے مطابق کتاب راحت القلوب میں حاجیوں سے کما حقہ دریافت کر کے لکھا ہے کہ تریسٹھ برس کی عمر میں ماہ ربیع الاول کی 2 تاریخ بروز دوشنبہ آپؐ کی وفات ہوئی ہے۔یہ بھی روایت ہے کہ ماہ ربیع الاول کی 4 تاریخ بروز چہارشنبہ حضرت بی بی عائشہ صدیقہ کے حجرہ میں آپؐ کی وفات

ہوئی اور وہیں آپؐ کو صحابہ کرام نے اتفاق رائے سے آپ کا مزار مبارک بنایا۔

شجرہ طریقت سید محمد بلاقؒ مختصر احوال

(مولف کتاب ہذا روضۃ الاقطاب (فارسی) سید محمد بولاق یہاں کچھ اپنے شجرہ اور اپنے سلسلہ کے بزرگان دین کا مجمل بیان درج کر رہا ہے تا کہ طالبین استفادہ کر سکیں)

راقم الحروف محمد بولاق ارشاد پناہ، ہدایت دستگاہ ''حضرت مخدوم شاہ خوب اللہ'' قدس سرہ العزیز کا مرید وخلیفہ ہے اور جب حضرت مخدوم بلخ و بخارا کی سیر اور ہر شہر کے قطبوں اور ولیوں کی صحبت سے فیض پا کر ہندوستان کے شہر دہلی تشریف لائے تو اس ناچیز کے والد گرامی کے حجرہ جو حضرت سلطان المشائخ کے روضہ کے نواح میں واقع ہے، میں قیام فرمایا۔اس زمانہ میں یہ فقیر خوردسال (دودھ چھوٹنے پر ٹھوس غذا کھانے کی عمر) تھا۔مگر حضرت مخدوم کے استنجے کے ڈھیلے دینے اور جوتیاں سیدھی کرنے کی خدمت سرانجام دیتا رہا۔دو برس ہمارے ہاں قیام کے بعد جب حضرت مخدوم وہاں سے سلطان المشائخ کی خانقاہ جو موضع غیاث پور میں ندی کے کنارے واقع ہے،تشریف لے گئےتو وہاں بھی اس فقیر سراپا تقصیر نے ان کی صحبت سے فیض پایا۔حضرت مخدوم اس خانقاہ میں چالیس برس تک قیام فرما رہے اور وہاں ہر سال پیران شجرہ عالیہ اور بزرگان قادریہ،غوثیہ کے اعراس کی بارونق مجالس منعقد کرواتے رہے۔ہر قسم کا کھانا اہل مجالس کو کھلاتے تھے قوالوں،صوفیوں اور فقراء کو بطور انعام روپیہ عطا فرماتے اور جو بھی فقراء یا امراء میں سے ان مجالس میں حاضری دیتا، یہی کہتا تھا کہ ایسی پرتاثیر اور بارونق مجلس ہم نے کسی اہل سلوک اور بادشاہ کے ہاں دنیا میں کہیں نہیں دیکھی بلکہ ایسی مجالس کسی کے ہاں بھی منعقد نہیں ہوتی ہوں گی،جس قدر تصرف ظاہر و باطنی حضرت مخدوم کو حاصل تھا شاید کسی کے نصیب میں نہ ہوا ہوگا۔

جب حضرت مخدوم کی عمر چوراسی برس کی ہوئی تو اس وقت یہ فقیر پچاس برس کا ہو

چکا تھا، تب آپ کا مرید ہوا۔ اس وقت فقیر پر آپؒ نے نوازشات کی بارش برسادی۔ ''کما الحق والدین'' خطاب دے کر اپنا خلیفہ و جانشین مقرر کیا۔ پھر حضرت مخدوم اپنے وطن میں جا کر لوگوں کو ہدایت کی روشنی سے منور فرماتے رہے۔ حضرت مخدوم ''شاہ خوب اللہ'' اپنے والد بزرگوار حضرت شاہ احمد اسد اللہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپؒ کی عظمت و کرامات بہت ہیں۔ یہاں تبرکاً دو تین واقعات درج کیے جارہے ہیں۔

۱۔ ایک دن حضرت مخدوم دوپہر ڈھلے حضرت سلطان المشائخ کے مزار کی زیارت کو آئے تا کہ قدم بوسی حاصل کریں۔ آپؒ کی تشریف آوری پر دروازے پر جو پردہ لٹکا ہوا تھا، دفعتاً ہٹ گیا۔ آپؒ نے یہ دیکھ کر اپنے خلیفہ میر امیر اللہ کو اشارہ کیا۔ انہوں نے پردہ ہاتھ سے پکڑ لیا تا کہ کرامت ظاہر نہ ہو۔

۲۔ ایک زمانہ میں میرے ایک دوست خواجہ مطلوب سخت علیل ہو گئے، ان کو تیز بخار چڑھا رہتا۔ حتیٰ کہ مہینہ بھر کچھ نہ کھا پی سکے۔ حکیموں نے حتی المقدور علاج کیا مگر آخر کار جواب دے دیا.............. راقم الحروف نے جب اپنے دوست کا یہ حال دیکھا تو حضرت مخدوم کی خدمت میں جا کر دوست کی بیماری اور اپنی بے قراری کا حال بیان کیا............. حضرت مخدوم ''شاہ خوب اللہ'' اس وقت بیر کھا رہے تھے اور اپنے احباب حاضر و غیر حاضر سب کا حصہ الگ الگ کر رہے تھے۔ چالیس سے کچھ زیادہ بیر کے دانے اس پر تقصیر کو بھی عنایت فرمائے۔ راقم ان کو کھانا چاہتا تھا کہ آپؒ نے فرمایا۔

''ایک دانہ بیر اپنے بیمار دوست کے لیے بھی رکھنا اور اسے جا کر کھلانا کہ رب تعالیٰ نے اس کی شفا اسی دانہ بیر میں رکھی ہوئی ہے''۔

خاکسار نے عرض کیا۔

''اگر سب دانے جا کر کھلا دوں تو مناسب نہیں''

مسکرا کر فرمایا: ''پھر تو بہت جلد شفایاب ہو جائے گا''

لہٰذا راقم نے وہ دانے بیروں کے لے جا کر اپنے دوست خواجہ مطلوب کے آگے رکھے اور تمام ماجرا بیان کیا۔ حالانکہ بیر کھٹے، ثقیل اور اس بیماری میں مضر تھے مگر بسبب اعتقاد

سب خواجہ مطلوب کو کھلا دیئے۔ اسی وقت خدا نے شفا دی اور خواجہ مطلوب صحت یاب ہو گئے۔
قصہ مختصر اس کتاب میں آپ کے درج پر ورواقعات کا تفصیلی احوال کا بیان ممکن نہیں۔
حضرت مخدوم "مانک پور" کے قریب گنگا کے کنارے "کرہ" شہر میں پیدا ہوئے اور کچھ بڑے ہو کر چالیس برس تک سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی خانقاہ میں رہے۔ جب بوڑھے ہوئے تو اپنے وطن چلے گئے۔ چند برس تک وہاں مخلوق خدا کو ہدایت سے فیضیاب کرتے رہے۔ 17 جمادی الاول 1118 ہجری بروز جمعہ بوقت صبح صادق طلوع آفتاب سے قبل آپؒ نے رحلت فرمائی اور "کرہ" شہر میں اپنے والد حضرت شاہ احمد اسد اللہ کے مقبرہ کے نزدیک آپؒ مدفون ہوئے۔

حضرت شاہ احمد اسد اللہ

میرے مرشد کریم حضرت شاہ خوب اللہ کے والد محترم حضرت شاہ احمد اسد اللہ حضرت شیخ بہاؤ الدین شاہ آبادی کے مرید اور بڑے خلیفہ ہیں۔ آپؒ کے نسب کا سلسلہ حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ سے ملتا ہے اور خواجہ کا تسلسل نسب امام علی نقیؒ سے ہوتا ہوا امیر المومنین حسین ابن علیؓ پر جا کر ختم ہوتا ہے۔ حضرت شاہ احمد اسد اللہ بہت مالدار اور منصب دار امیروں میں سے تھے۔ ہمیشہ عیش کرتے اور شراب پیتے تھے......
ایک رات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:
"اے فرزند!.................. تجھے اس لیے نہیں پیدا کیا گیا کہ جو تو کرتا ہے......
آ......میرے ہاتھ پر توبہ کر......" پھر اس مجلس خواب میں حضرت شیخ بہاؤ الدین کا حلیہ مبارک دکھا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
"اس بزرگ کا دامن پکڑ لے۔ یہ درویش تیری تربیت کرے گا اور بڑے درجہ

تک پہنچائے گا۔تو اس درویش کے اعلیٰ خلفاء میں سے ہوگا"۔

جب آپؒ بیدار ہوئے، جس قدر مال وزر تھا فقراء اور مستحقین میں بانٹ دیا اور تن تنہا حضرت شیخ بہاؤالدین کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔قریہ قریہ چھانتے ہوئے جب قصبہ "شاہ آباد" جو تھانسیر کے پاس ہے، پہنچے تو آپؒ کے بے قرار دل کو کچھ اطمینان محسوس ہوا۔جلدی جلدی قصبہ میں داخل ہو کر حضرت شیخ بہاؤالدین کے بارہ میں دریافت فرمایا۔چنانچہ آپؒ ان کو اس قصبہ میں پا کر خوشی سے سرشار ہو کر قدموں ہو گئے۔جو حلیہ خواب میں آپؒ کو دکھایا گیا تھا،اس حلیے کے مطابق آپ نے اپنے مرشد حضرت شیخ بہاؤالدین کو پہچان لیا۔پہلے ہی دن انہوں نے آپؒ کو بیعت فرما کر اپنے شاگردوں میں لے لیا۔

آپؒ بہت لائق وفائق تھے اور مال ومتاع اور دنیاوی آلائشوں سے اپنا تعلق صدق دل سے توڑ چکے تھے۔چنانچہ بہت کم عرصہ میں آپؒ کی بنیادی تربیت ہو گئی اور مرشد نے کمال تک پہنچا دیا اور اپنا خلیفہ مقرر کر کے "کرہ" شہر کا صاحب ولایت بنا دیا اور اپنے چاروں بیٹوں کو آپؒ کی ارادت میں دے دیا۔

الغرض آپؒ اپنے آبائی شہر "کرہ" میں ایک مدت تک خلق خدا کو ہدایت کی روشنی سے منور فرماتے رہے۔آپؒ نے ماہ ذی الحج میں وفات پائی اور "کرہ" میں ہی گنگا کے کنارے مدفون ہیں۔

حضرت شیخ بہاؤالدین شاہ آبادیؒ

حضرت شیخ بہاؤالدین شاہ آبادیؒ ناخواندہ تھے مگر علم لدنی سے آپ کا سینہ معمور تھا۔پرگنہ تھانسیر کے قریب ایک قصبہ "شاہ آباد" ہے۔اس نسبت سے آپ کو شاہ آبادی کہا جاتا ہے۔کیونکہ آپ کو مرشد نے اسی قصبہ میں قیام فرمانے کا حکم دیا تھا۔آپؒ حضرت شاہ نجم الحق والدین کے مرید،خلیفہ وجانشین ہیں۔

حضرت شیخ بہاؤالدین شاہ آبادیؒ کوان کے مرشد نے قصبہ شاہ آباد قیام و تبلیغ کے لیے بھیج دیا۔جلد ہی آپ کی شہرت اس علاقہ میں پھیل گئی اور کثرت سے مخلوق خدا آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ کی مرید ہوگئی۔عوام الناس میں آپ کی قدر و حرمت کا ایک پختہ تاثر نقش ہوگیا اور روز بروز لوگوں کے دلوں میں آپؒ کی قدر و منزلت بڑھنے لگی تو اس شہر کے علماء سو آپ کی قدر و عظمت کی وجہ سے آپؒ سے حسد کرنے لگے۔چنانچہ یہ لوگ ایک مجلس میں اکٹھے ہوئے اور باہم مشورہ کیا کہ شیخ علوم ظاہری سے واقف نہیں ہیں اور چند مسائل پوچھ کر انہیں،ان کے عقیدت مندوں کی نظروں میں گرا دیں تاکہ ان کی عزت و وقار ختم ہوجائے اور لوگ بدظن ہوکر ان کی اطاعت گزاری چھوڑ دیں۔

چنانچہ یہ سازشی علماء ایک جمگھٹے کی صورت میں آپؒ کے پاس آئے۔آپؒ نے ان کی خوب خاطر مدارت کی اور بعد ازاں آپؒ نے استفسار کیا کہ کس سبب سے آپ لوگوں کا فقیر کے پاس آنا ہوا؟سب نے کہا کہ ہم کو ہر ایک علم میں مشکل پیش آرہی ہے،آپؒ اس کو حل کریں تاکہ ہماری مشکل دور ہوجائے۔اگر آپ اس کو حل نہ کرسکیں تو اس شہر سے نکل جائیں کیونکہ علماء کے شہر میں ایک جاہل شیخ کا کیا کام؟؟؟

ان لوگوں نے آپؒ کو لفظوں لفظوں میں اشتعال دلانے کی کوشش کی مگر فقیر کو کون اشتعال دلاسکتا ہے۔فقیر تو منشاء الٰہی کا پابند ہوتا ہے۔آپؒ نے ان سازشی لوگوں کا مدعا جان کر اپنے حجرہ میں جاکر کنڈی لگالی اور پھر کمرے کے اندر سے ہی فرمایا جو کچھ بھی آپ لوگوں نے پوچھنا ہے،پوچھ لو“۔

علماء نے متعدد سوال کیے آپؒ نے ہر ایک کا ٹھیک ٹھاک تسلی بخش جواب دیا تو یہ لوگ خود ہی اپنی نظروں میں گر کر نادم ہوگئے اور واپس چلے گئے۔ان علمائے سوء کی رہی سہی قدر بھی دم توڑ گئی۔

آپؒ نے ماہ شعبان میں اس دنیائے ناپائیدار سے پردہ فرمایا اور پرگنہ شاہ آباد میں دفن ہیں۔

حضرت شیخ نجم الحق والدّین عرف جامین لدھا

حضرت شیخ نجم الحق حضرت شیخ عبدالعزیز کشکی کے مرید وخلیفہ ہیں۔آپؒ کے مرشد نے آپ کے بارہ میں بارہا فرمایا تھا کہ جامین لدھا کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ولایت عالمگیری سے نوازا ہے اوراپنی معرفت کادروازہ اس کے دل پر کھول دیا ہے۔پس اس سے بڑا خوش نصیب اور کون ہوسکتا ہے،جس کا مرشد اپنے مرید کی تعریف خود فرمائے ....جب آپؒ کے مرشد حضرت عبدالعزیز وفات پا گئے تو آپؒ بھی دہلی سے چلے گئے اور پرگنہ جھٹھہ جو دہلی کے نواح میں واقع ہے، رہنے لگے۔آپ ہمیشہ یادحق میں مشغول رہے اور کافی عرصہ اسی مقام پر قیام پذیر رہے۔بہت سے لوگوں نے آپؒ سے علم وہدایت کی روشنی پائی۔اس علاقہ کے لوگوں میں آپؒ کو بہت قدرومنزلت حاصل تھی۔ ہرا پنا پرایا، مسلم غیر مسلم آپ کا عقیدت مند تھا۔آپ نے اسی مقام پر 19 محرم الحرام کو وفات پائی اور پرگنہ جھٹھہ میں ہی آپ کو دفن کیا گیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز کشکی وقاضی یوسف خان ناصحی وحضرت شیخ حسن طاہری

حضرت شاہ عبدالعزیز کشکیؒ،حسن طاہر شاہ خیامی کے چھوٹے فرزند تھے اور آپ قاضی یوسف خان ناصحی کے مرید اور خلیفہ ہیں۔آپ کو اپنے مرشد قاضی یوسف خان نے ''جمال الحق'' کا خطاب دیا تھا۔آپ کے مرشد آپ پر بڑا لطف وکرم فرماتے تھے اور آپ پر بہت خوش رہتے تھے اوران کو اپنے اس مرید پر بڑا فخر تھا۔آپ کا آبائی وطن جون پور ہے۔یہی آپ کی جائے پیدائش ہے۔جب آپ بڑے ہوئے تو اپنے والدگرامی کے

اشارہ سے قاضی یوسف خان کے مرید ہوئے۔قاضی یوسف خان آپ کے والد گرامی کے خلفاء میں سے تھے۔حضرت شاہ عبدالعزیز کشفی بہت ذہین اور باکمال تھے،اس لیے آپ کو جلد مرشد نے خلافت سے نواز دیا.................آپ اپنے مرشد کے حکم پر جون پور سے ترک سکونت کر کے دہلی میں آ کر آباد ہو گئے۔آپ 70 برس تک اپنے وعظ و تبلیغ اور فیض سے مخلوق خدا کو نوازتے رہے۔آپ نے 6 جمادی الثانی کو وفات پائی۔دہلی کے نزدیک اپنی خانقاہ کے صحن میں دفن ہوئے۔

آپ کے مرشد گرامی قاضی یوسف خان ناصحی 'حضرت شیخ حسن طاہر" کے مرید و خلیفہ تھے۔جن کی پیدائش ظفر آباد میں ہوئی تھی۔یہی آپ کا آبائی وطن تھا۔آپ نے ماہ صفر کی 15 تاریخ کو وفات پائی اور وہیں دفن ہیں۔حضرت شیخ طاہر کے مرشد حضرت شیخ بدراخی حامد شاہ تھے۔حضرت شیخ طاہر کو شیخ بدراخی حامد شاہ نے اپنی خلافت عطا کی۔سلطان سکندر کے زمانہ میں آپ جون پور کے مشائخ میں شہرت رکھتے تھے۔آپ بزرگوں کی زیارت کرنے دہلی تشریف لائے اور ایک مکان میں سکونت اختیار کی۔اسی جگہ کے نواح میں آپ اور آپ کے فرزندوں کا مزار ہے۔آپ نے ماہ ربیع الاول کی 24 تاریخ کو وفات پائی۔

حضرت شیخ بدراخی حامد شاہ کی عجیب تربیت

آپؒ مخدوم شیخ حسام الدین مانک پوری کے مرید و خلیفہ تھے۔آپ کی بیعت کا واقعہ بڑا عجیب و غریب ہے اور طریقت و سلوک کی تاریخ میں ایسے واقعات خال خال ہی ملتے ہیں۔آپ بچپن میں ہی بے مثل حسن و جمال کے مالک تھے۔آپ کے گھر والوں کو خدشہ لاحق رہتا تھا کہ آپ کو کسی کی نظر نہ لگ جائے۔

ایک دن شیخ حسام الدین جو بعد میں آپ کے مرشد ہوئے،نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد اپنے گھر جا رہے تھے کہ راستے میں جہاں آپ کا مکان پڑتا تھا،گزرے تو ان کی

نظریں حضرت شیخ بدراخیؒ پر پڑ گئیں۔آپ اپنے گھر کے دروازے میں کھڑے تھے۔اس وقت آپ کی عمر سات برس تھی۔حضرت شیخ حسام الدین آپ پر نظر پڑتے ہی بے اختیار فریفتہ ہو گئے۔آپ کے بے پناہ ملکوتی حسن نے حضرت شیخ حسام الدین پر اس قدر اثر کیا کہ وہ متحیر اور مدہوشی کی کیفیت میں گھر آئے .... حضرت شیخ حسام الدین کے اس حال کی خبر پوشیدہ نہ رہ سکی اور جلد ہی اردگرد پھیل گئی۔جب حضرت شیخ بدراخی کے والدگرامی تک پہنچی تو وہ بہت خوش ہوئے اور اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر شیخ حسام الدین کی خدمت میں لے آئے اور آپ کو شیخ حسام الدین کے سپرد کر دیا۔حضرت شیخ حسام الدین بہت خوش ہوئے اور پوری توجہ سے آپ کی ایسی تربیت فرمائی کہ بہت قلیل عرصہ میں عارف کامل کی اپنی خلافت عطا کی۔آپ نے ماہ شعبان کی 25 تاریخ کو وفات پائی اور مانک پور میں اپنے مرشد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

حضرت شیخ حسام الدین مانک پوری وشیخ نور قطب عالم

شیخ بدراخی حامدؒ کے مرشد شیخ حسام الدین حضرت شیخ نور قطب عالم کے مرید وخلیفہ تھے۔شیخ نور قطب عالم کی وفات کے بعد ایک مدت تک مسند قطب پر بیٹھ کر خلق خدا کو رشد وہدایت سے مستفید فرماتے رہے۔حضرت شیخ نور قطب عالم کے صاحبزادہ نے اپنے والدگرامی کے ارشاد کے بموجب آپ کے ہاتھ سے خرقۂ خلافت پایا اور اب تک ان کی اولاد شیخ حسام الدین کی اولاد کے ہاتھوں سے خرقۂ خلافت پہنتی ہے اور ان کے خاندان کو اپنا بہت مخلص اور خیر خواہ سمجھتی ہے۔آپ نے گیارہ رمضان المبارک کو وفات پائی۔آپ کو مانک پور میں ہی دفن کیا گیا۔حضرت شیخ حسام الدین کے مرشد حضرت شیخ نور قطب عالم اپنے والدگرامی شیخ علاؤالحق والدین کے مرید وخلیفہ تھے۔اگرچہ آپ کے والدگرامی کے بہت سے بیٹے تھے مگر حضرت شیخ نور قطب عالم کو زیادہ دوست وعزیز رکھتے تھے۔

قطب عالم کے تمام بھائی اپنے والد گرامی کی دل وجان سے خدمت کرتے تھے، لیکن حضرت قطب عالم اپنے والد گرامی کی نظروں میں زیادہ ممتاز تھے۔ آپ کو والد گرامی ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے اور جدا نہ ہونے دیتے تھے۔ آپ کی تربیت کر کے عارف کامل بنا کر اپنی خلافت وجانشینی عطا کی۔ آپ اپنی حیات میں خلق خدا کو ہدایت کے نور سے منور کرتے رہے۔ آپ نے ماہ ذیقعد کی 10 تاریخ کو وفات پائی۔

حضرت شیخ علاؤالحق والدّین بنگالی

حضرت شیخ علاؤالحق حضرت شیخ سراج الدین عثمان المعروف اخی سراج کے مرید وخلیفہ تھے۔ آپ کے والد گرامی عمر بن سعد لاہوری بنگال کے بادشاہ کے وزیر تھے اور ملک کے انتظامی امور بڑی دانائی وحکمت سے سرانجام دیتے تھے۔ لطائف اشرفی میں تحریر ہے کہ آپ کے نسب کا سلسلہ مشہور صحابی رسولؐ حضرت خالد بن ولید سے جاملتا ہے۔ آپ کا لقب شیخ علاؤالدین گنج نبات وشیخ علاؤالدین حق ہے۔ یہ بات مشہور ہے کہ شیخ سراج اخی کی مریدی سے پہلے اپنے علم وجاہ کے زعم میں اپنا لقب گنج نبات رکھ لیا تھا۔ حضرت سلطان المشائخ نے جب یہ خبر سنی تو فرمایا:

میرے پیر تو گنج شکر ہی تھے اور یہ گنج بنات ہو گیا۔ آپ کے یہ ارشاد فرمانے کے بعد شیخ علاؤالحق کی زبان توتلی ہو گئی۔ ایک عرصہ بعد جب آپ حضرت شیخ سراج الدین کے مرید ہوئے تو اس وقت آپ کی زبان کا توتلا پن ختم ہو گیا۔ آپ نے ماہ رجب میں وفات پائی۔

حضرت شیخ سراج الدین عثمان

آپ حضرت سلطان المشائخ کے خلیفہ تھے۔آپ کو اخی سراج بھی کہا جاتا ہے۔آپ کو سلطان المشائخ ''آئینہ ہند'' بھی کہتے تھے۔آپ فی الواقع تمام ہند کے آئینہ ہی تھے کہ آپ کے ارشادات واقوال سے تمام ہند میں رونق ہوگئی۔اگر چہ سلطان المشائخ کے تمام خلفاء صاحبان کرامت ومقامات تھے مگر شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلی اور شیخ سراج الدین عثمان آئینہ ہند کچھ اور ہی لوگ تھے۔ان دونوں بزرگوں کی صحبت پر تاثیر سے بہت سے لوگ کامل ہو گئے۔

سیر الاولیاء کے مطابق جب حضرت سلطان المشائخ خلافت کی نعمت حاصل کر کے اپنے مرشد حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر سے رخصت ہو کر دہلی پہنچے تو دہلی کے ہندوستانی لوگوں میں سے شیخ سراج الدین عثمان نے آپ کی ارادت قبول کی۔چونکہ سراج الدین عثمان دل کا خلوص ورغبت رکھتے تھے،جلد ہی خلافت کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔سلطان المشائخ نے آپ کو آئینہ ہند کا خطاب دیا۔جب حضرت سلطان المشائخ نے وفات پائی تو آپؒ تین برس تک اپنے مرشد کے مزار پر بیٹھ کر عبادت ووعظ ونصیحت اور درس و تدریس میں مصروف رہے۔

اس زمانہ میں سلطان محمد تغلق بن غیاث الدین بادشاہ دہلی نے بزرگوں کو سخت گیری کے ساتھ ''دیوگیر'' کی طرف روانہ کیا۔یہ جگہ اس نے نئی آباد کی تھی۔اس وقت شیخ سراج الدینؒ اپنے قدیم وطن لکھنوتی کی طرف تشریف لے گئے اور بعض کتابوں میں تحریر ہے کہ وہ کپڑے جو حضرت سلطان المشائخ نے اکثر عنایات کے مواقع پر آپ کو دیئے تھے،اپنے ساتھ لے گئے اور اپنے جمال جہاں آرا سے لکھنو کو روشن کیا۔جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے سلطان المشائخ کے عنایت کردہ ملبوسات ''لکھنوتی'' میں

ایک جگہ دفن کر کے ان پر ایک قبر کا نشان بنا دیا اور اس قبر کی پائنتی میں آپؒ دفن ہوئے۔

حضرت خواجہ سید محمد نظام الدینؒ بدایوانی

بعض کتابوں میں خطاب "محبوب الٰہی، سلطان المشائخ" لکھا ہوا ہے۔ آپ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کے نسب کے سلسلہ کو مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال الدین حسینؒ تاریخ ہندی، مصنف کتاب چشتیہ بہشتیہ نے بیان کیا ہے۔ ہر ایک کا نام و تفصیل کی متحمل یہ کتاب نہیں ہو سکتی۔ المختصر آپ کا سلسلہ نسب حضرت امیر المومنین امام حسینؓ بن حضرت علیؓ تک پہنچتا ہے اور یہ ثابت ہوا کہ آپ سید حسینی ہیں۔ اور جو کچھ مولانا عبدالرحمان جامی نے نفحات الانس میں ذکر کیا ہے، کسی دیگر کتاب میں موجود نہیں ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)۔

کتاب سیر الاولیا کے مطابق سلطان المشائخ کے دادا محترم خواجہ سید علی اور والدہ ماجدہ کے دادا حضرت خواجہ سید عرب معہ اپنے اہل و عیال و اطفال، شہر بخارا سے ملک ہندوستان میں تشریف لائے اور شہر بدایوں جہاں ان دنوں اسلام کا بول بالا تھا، سکونت اختیار کی۔ اتفاقاً خواجہ عرب نے اپنی بیٹی بی بی زلیخا کا خواجہ سید علی کے بیٹے خواجہ سید احمد کے ساتھ نکاح کر کے رشتہ جوڑا۔ ان دونوں اشخاص با صفا کے ہاں حضرت سلطان المشائخ حضرت خواجہ سید محمد نظام الدین اولیاء پیدا ہوئے، جو دنیا کی ہدایت کا ذریعہ بنے۔

آفریں از خدائے بر پدرے
کہ از و ماند اینچنیں پسرے

حضرت سلطان المشائخ کی پیدائش ماہ صفر کی ستائیسویں تاریخ آخری چہار شنبہ 636 ہجری میں صبح صادق کے وقت ہوئی۔ پس اسی مناسبت سے ہر برس آخری چہار شنبہ کے دن آپ کے مزار مبارک (جیسا کہ آپ کی حیات میں سالگرہ ہوتی تھی) کو غسل دے کر

غسل کا پانی تبرکاً مریضوں کو پلاتے ہیں تا کہ شفا پائیں۔

کتاب سیر الاولیاء میں تحریر ہے کہ سلطان المشائخ چھوٹے سے تھے کہ آپ کے والد گرامی خواجہ احمد مسند نشین جو شریعت کے امور کا اجراء کرتے تھے، وفات پا گئے تو آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کی پرورش کی۔اس وقت کے بادشاہ نے یتیم پروری اور غریب نوازی کے پیش نظر سلطان المشائخ کے نام آپ کے والد گرامی کا منصب بحال رکھا اور ایک عالم وقت کو آپ کا نائب مقرر کیا۔حضرت سلطان المشائخ اگر چہ ان دنوں صغیر سن تھے اور اپنے باطنی میلان کے باعث اس عہدے و منصب سے کراہت اور انکار کرتے تھے۔سیر العارفین میں آپ کے والد گرامی کی وفات کا واقعہ یوں درج ہے کہ سلطان المشائخ پانچ برس کے تھے کہ آپ کے والد گرامی کا انتقال ہوگیا۔

کتاب سیر الاولیاء اور دیگر ثقات میں تحریر ہے کہ جب سلطان المشائخ پڑھنے کی عمر کو پہنچے تو آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کو مکتب میں بٹھا دیا۔آپ نے بہت تھوڑے عرصے میں قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔چودہ برس کی عمر میں علوم عقلیہ (مفروضہ) حاصل کر کے علم لغت حاصل کیا۔علم و دانائی کا ایسا ممتاز مقام حاصل کیا کہ اونچے درجے کے عالموں اور تیز طبع دانش مندوں کے مابین ''مولانا نظام الدین بحاث محفل شکن'' کا خطاب پایا۔علم تفاسیر و احادیث، ہیت و ہندسہ، فقہ و اصول میں ممتاز مقام حاصل کر کے شہرت پائی۔آپ نے مشارق الانوار جیسی کتابوں پر عبور حاصل کیا اور مولانا کمال الدین جو علم حدیث میں اس وقت اجازت دینے کے مجاز تھے، سے اجازت حاصل کی۔

کتاب سیر الاولیاء کے مطابق اگر چہ ظاہری علوم کے مستند عالموں میں آپ کی کافی نشست و برخواست رہتی تھی مگر آپ کے دل میں باطنی علوم کی خواہش طلاطم کی طرح موجزن رہتی تھی۔چنانچہ آپ اکثر فرماتے تھے کہ میری جوانی فضلاء و علماء کی صحبت میں کٹی مگر میرے دل کی گہرائیوں میں ہمیشہ یہ تمنا شدت کے ساتھ جاگزیں رہتی تھی کہ کب میں ایسی محفلوں سے نکل کر حقیقی علوم سے اپنے دل کی پیاس بجھاؤں گا اور معشوق حقیقی کا وصال میسر ہوگا۔میں اکثر ان لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ میں تمہارے پاس نہ رہ پاؤں گا۔میرے

دل کی تمنا کچھ اور ہے۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں پہنچنے سے پہلے میری یہی کیفیت جوبن پہ رہتی تھی۔ جب حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی خدمت میں پہنچا تو تمام ظاہری خواہشات و امنگوں سے دست کش ہو کر باطنی اشغال میں منہمک ہو گیا اور دل کو سکون و اطمانیت حاصل ہوئی۔

سلطان المشائخ اپنے بچپن کا احوال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بچپن میں جب میری عمر تقریباً بارہ سال کی ہوئی کہ میں اپنے استاد محترم سے علم لغت حاصل کر رہا تھا کہ ایک دن ابو بکر فراط نام کا شخص (جس کو ابو بکر قوال بھی کہا جاتا تھا) ملتان سے میرے استاد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ استاد محترم نے اس سے ملتان کے مشائخوں کا احوال دریافت کیا۔ اس نے بیان کیا کہ وہ حضرت بابا بہاؤ الدین ذکریا ملتانی کی خدمت میں بہت عرصہ رہا ہے اور حضرت نے اس سے سماع بھی سماعت فرمایا ہے۔ اس نے وضاحت کی کہ ملتان میں ذکر باری تعالیٰ حد سے زیادہ ہے۔ یہاں تک کہ لونڈیاں چکی پیستے ہوئے بھی خدا کا ذکر کرتی ہیں اور اس نے جو کچھ حضرت بہاء الدین ذکریا کے مناقب و عظمت بیان کی وہ میرے دل میں جاگزیں ہو گئی۔ پھر اس شخص نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا احوال بیان کیا کہ میں ملتان سے اجودھن گیا وہاں میں نے ایک بادشاہ (فرید الدین) دیکھا، جس کی ولائیت نے تمام عالم کو مسخر کر لیا تھا۔ ایک چاند دیکھا جس نے اپنے نور معرفت سے تمام ملک کو روشن کر رکھا تھا۔

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ تعریف و توصیف حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی سنی تو میرے دل میں آپؒ کی شدید محبت پیدا ہو گئی۔ حتیٰ کہ ہر نماز کے بعد آپؒ کے نام مبارک کا ورد کرتا تھا اور میں نے یہی وظیفہ مقرر کر لیا تھا۔ پس یہ محبت اس قدر زیادہ ہوئی کہ میری شہرت کا باعث بن گئی اور پھر میرے دوست و احباب اگر کسی موقع پر مجھے قسم دیتے تو حضرت بابا فرید الدین کی محبت کی دیتے تھے۔

الغرض جب میں سولہ برس کا ہوا تو ''بدایوں'' سے دہلی آیا تو راستے میں ''عوض'' نام کا ایک آدمی میرا ہمسفر ہو گیا۔ اگر راستہ میں کوئی خوف پیش آتا تو وہ شخص احتیاطاً کہتا ''یا

پیر مدد کرنا ہم تمہاری پناہ میں سفر کر رہے ہیں" .... میں نے اس شخص سے پوچھا کہ "آپ کا پیر کون ہے؟ جس سے پناہ مانگتے ہو اور مدد طلب کرتے ہو"۔ اس شخص نے کہا............ "میرا پیر وہ شخص ہے کہ جس نے تیرا دل اپنی طرف کھینچ لیا ہے اور تجھے اپنی محبت میں فریفتہ کر لیا ہے"۔

اس دن سے میرا اعتقاد حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ پر اور زیادہ پختہ ہو گیا اور خلوص مزید بڑھ گیا۔ جب میں اپنے خاندان (والد اور ہمشیرہ) کے ہمراہ دہلی پہنچا تو اتفاقاً حضرت شیخ نجیب الدین متوکل (حضرت فرید الدین گنج شکر کے بھائی اور خلیفہ) کے ہمسایہ میں اترا۔ اس محلّہ میں ایک مکان کرایہ پر لے لیا جو حضرت نجیب الدین متوکل کے مکان کے قریب تھا۔ میرے لیے ان کی صحبت حاصل کرنا بہت سہل ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں نے ان کی خدمت میں حاضری دے کر قدم بوسی کی۔ ان کی محفل میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کا تذکرہ رہتا تھا اور یہی تذکرہ تو میرے دل کے درد کا درماں تھا۔ چنانچہ تین چار برس تک ان کی خدمت میں رہا اور نہایت توجہ و اشتیاق کے ساتھ ان محترم بزرگ سے علم حدیث کی سند حاصل کی۔

کتاب نفحات الانس میں حضرت سلطان المشائخ کا واقعہ یوں درج ہے کہ ایک رات سلطان المشائخ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد دہلی کی جامع مسجد میں سوئے ہوئے تھے کہ فجر کے وقت موذن نے مینارہ پر چڑھ کر قرآن شریف کی یہ آیت تلاوت کی:

"الا بان الذین امنو بجسم قلوبھم لذکر اللہ"

یہ آیت سننے کے بعد آپ کی کیفیت بدل گئی اور ہر طرف سے انوار آپ پر ظاہر ہونے لگے۔ صبح کو آپؒ بے سامان اور بے رہبر حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہو گئے اور آپ کی خدمت میں پہنچ کر مرید ہوئے اور مرتبہ کمال کو پہنچے۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے آپ کی تربیت فرما کر باطنی علوم کی تکمیل کی اور لوگوں کو رشد و ہدایت دینے کی اجازت سے فائز فرما کر دہلی کی طرف بھیجا تا کہ آپ دہلی میں لوگوں کی باطنی پیاس بجھائیں۔

کتاب راحت القلوب میں سیر الاولیاء سے نقل کر کے یہ واقعہ یوں درج ہے:

حضرت سلطان المشائخ بیس برس کی عمر میں کہ عین جوانی کے دن تھے، محبت الٰہی سے سرشار رہتے تھے۔ انہی ایام میں محبت الٰہی کا جوش انتہادرجہ غالب ہوا تو آپؒ نے اس غلبہ کے باعث تمام ظاہری اشغال اور خواہشات سے قطع تعلق کر لی اور قلبی تمنا حاصل کرنے کے لیے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چل پڑے۔ مسافرت کے ایام گزرنے کے بعد بدھ کے روز گیارہ رجب المرجب 655 ہجری اجودھن پہنچے اور بابا فرید الدین کے مرید ہوئے۔ حضرت بابا فرید الدین نے بوقت بیعت ہی آپ کو اپنے سر پر پہنی ہوئی ٹوپی، اپنا خرقہ خاص اور چوبی جوتیاں عطا کیں اور یہ شعر پڑھا:

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ
شراب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

اور پھر فرمایا: "میں نے چاہا تھا کہ ولایت خلافت دہلی کسی دوسرے شخص کو دے کر رخصت کر دوں.........اس وقت غیب سے آواز آئی کہ ابھی توقف کرو۔ نظام الدین بدایوانی راستہ میں ہے، اس کو آنے دو۔ ولایت وخلافت اس کی شان کے لائق ہے، اسی کو دینا۔ اچھا ہوا تم آ گئے۔ چند روز میری صحبت میں رہو۔ تکمیل کے بعد تم کو اپنی خلافت دوں گا اور ہندوستان کی ولایت کا مالک کر دوں گا"

الغرض سلطان المشائخ نے سات مہینے اور سات دن حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کی خدمت کی اور کسب سعادت کیا۔ حیران کن بات ہے کہ اتنی کم مدت میں آپ کامل ہو گئے اور مشائخ کبار کی خلافت کے لائق ہو گئے .... حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے بحکم الٰہی آپؒ کو ماہ ربیع الاول کی دو تاریخ 656 ہجری میں اس خرقہ خلافت سے نواز کر جو پیران چشت سے آپؒ کو ملا تھا اور خلافت و ولایت ہندوستان کی عطا کر کے دہلی بھیجا۔ دہلی آ کر آپ کمالِ زیبائی اور رعنائی سے پیران چشت کی مسند پر بیٹھے اور

خلق اللہ کی ہدایت وراہنمائی کا ذریعہ بن گئے۔حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ:

"میں جب سے دہلی آیا،تین بار پیر ومرشد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں حاضری دی اور پھر آپؒ کی وفات کے بعد سات مرتبہ آپ کے مزار مبارک کی زیارت سے مشرف ہوا۔کل دس بار آپؒ کے وطن کی پر کیف فضاؤں میں جانے کی سعادت حاصل کی۔

کتاب سیر الاولیاء یوں تذکرہ ہے کہ جب سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اپنے پیر ومرشد سے خلافت وولایت کی سعادت سے سرفراز ہو کر دہلی میں تشریف لائے تو چند دنوں میں ہی آپؒ کی عظمت کا چرچا گھر گھر تک پھیل گیا اور مخلوق کا اژدھام آپؒ کی جائے رہائش پر ہر روز امڈ آتا۔آپؒ خلوت پسند تھے اور ہجوم آپ کے باطنی اشغال واعمال میں مخل ہوتا تھا۔اس وجہ سے آپؒ کو ملال ہوا تو آپؒ نے شہر سے باہر صحرا کے کسی پر سکوت گوشہ میں سکونت اختیار کرنے کی نیت کی تو غیبی آواز آئی کہ:

"تیری قیام گاہ کی جگہ غیاث پور ہے"

آپؒ مشیت ایزدی کا اشارہ پا کر غیاث پور چلے گئے (جو اندر پت کے علاقہ میں واقع ہے) اپنی اور اپنے متعلقین کی ضرورت کے لیے جون کے کنارے (جون سے مراد دریائے جمنا ہے) چھپر ڈال لیے۔کافی دنوں کے بعد ضیاء الدین عماد الملک نے آپؒ کی رہائش اور خانقاہ کے لیے بڑے مصارف سے حویلی بنوا دی۔چنانچہ آپ نے ساٹھ برس سے کچھ زائد عرصہ اس مکان میں قیام فرمایا اور اپنی وفات تک اسی مکان میں قیام پذیر رہے۔اس وقت تک وہ حویلی وخانقاہ موضع غیاث پور میں مظبوط مصفا حالت (اچھی حالت) میں موجود ہے۔

طالبان حق کو چاہیے کہ اس متبرک مقام کی زیارت سے فیض حاصل کریں۔

(نوٹ:سید محمد بلاقؒ ہمشیرہ زادہ حضرت سلطان المشائخ کی حیات میں یہ حویلی اچھی حالت میں موجود تھی۔

جب یہ کتاب پہلی بار انہوں نے فارسی زبان میں لکھیں۔مرتبین)۔

حضرت سلطان المشائخ بیس برس کی عمر میں جو عین جوانی اور شباب کا دور ہوتا ہے، حضرت بابا فرالدین گنج شکرؒ کی ہدایت کے مطابق ترک وتجرد کے مراحل سے گزرے۔عموماً اس عمر میں ذہن دنیاوی مشاغل کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے، لیکن آپؒ نے پیرومرشد کی اطاعت گزاری کا انمول نمونہ پیش کیا اور پیرومرشد کے ارشادات کی تعمیل میں سرمو فرق نہ آنے دیا۔غیاث پور میں بھی آپؒ نے ایک مدت سخت ریاضت ومجاہدہ میں گزاری۔آپ کو کامل استغنیٰ اور توکل میں کمال درجہ حاصل تھا۔سخت مجاہدہ کے دو تین واقعات بیان کیے جارہے ہیں۔''مشتے نمونہ ازانبارے''

حضرت سلطان المشائخ اپنی زندگی کے روح پرور واقعات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''غیاث الدین بلبن کے عہد میں خربوزہ کا بھاؤ دو پیسہ من تھا اور یہ عام فروخت ہوتا تھا، اس کی ایک فصل کا موسم گزر گیا مگر مجھے خربوزہ میسر نہ ہوسکا......لیکن میرے دل میں پھر بھی اس کی طلب یا تقاضا پیدا نہ ہوا بلکہ آرزو کرتا تھا کہ آئندہ فصل میں بھی مجھے خربوزہ میسر نہ آئے تو اچھا ہے، لیکن ایک دن ایک شخص چند خربوزے اور روٹیاں میرے پاس لایا تو میں نے اس کو عنایت خدا سمجھا۔ایک بار ایسا ہوا کہ تنگ دستی نے ہمارے ہاں ڈیرے ڈال لیے۔تمام گھر کے افراد والدہ، ہمشیرہ سب کو فاقہ پیش آتا تھا۔اس زمانہ میں ایک چیتل (ایک چھوٹا کم وزن سکہ رائج الوقت کرنسی) کی دو تین روٹیاں فروخت ہوتی تھیں، لیکن ہمارے پاس ایک چیتل (سب سے کم قدر کی کرنسی) تک نہیں تھا، روٹی بھلا کیسے خرید کر کھاتے!!!ایسی حالت میں بھی اگر کوئی ہمارے لیے شکر، مصری یا جامہ مہین بطور تحفہ لاتا تو میں اس کو بھی نہ فروخت کرتا اور یہ اشیاء یوں ہی پڑی رہتیں، حالانکہ ان کو فروخت کرنے سے ہماری کھانے کی حاجت پوری ہوسکتی تھی۔

طالبان حق کے لیے آپؒ کی زندگی کے یہ واقعات مشعلِ راہ ہیں۔سلطان المشائخ پر اللہ کریم نے غیب سے فتح وفتوح کے دروازے کھول رکھے تھے۔یکبارگی سے ہر

سو خلقت آپؒ کی طرف رجوع کرتی تھی، مگر آپؒ کے دل میں اللہ کی محبت اس درجہ جاگزیں تھی کہ سوائے یادِ یار کے آپ کو سب کچھ بے معنی لگتا تھا۔ ایسی ہی حالت اور کیفیت کے بارے میں حضرت شیخ سعدیؒ نے فرمایا تھا:

چنان برونے تو آشفتہ ام بیونے تو مست
کہ نیستم خبراز ہرچہ درد عالم ہست

آپ ہمیشہ خلقِ خدا کے مصائب و مشکلات پر غمگین رہتے تھے اور آپؒ کی آنکھوں سے آنسو جاری رہتے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ دنیا کے لوگوں کا غم و دکھ آپ کے دل پر گزر رہا ہے۔ اگر کوئی بڑا تحفہ لاتا (بڑے سے مراد زیادہ قیمتی اور مقدار میں زیادہ) تو آپؒ لرز جاتے۔ خادموں سے فرماتے کہ اس کو فوراً محتاجوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کردو۔ خادمین اس کو اسی وقت سب میں بانٹ دیتے۔

ان تحائف کا تذکرہ کتاب خیرالمجالس میں بھی ہے کہ ہر دن بہت سے تحائف آپ کی خدمت میں لوگوں کی طرف سے آتے تھے، مگر آپ شام تک سب تقسیم فرمادیتے تھے اور جو شخص آپ کی خدمت میں کوئی چیز لاتا، اس سے بہتر اس کو مل جاتی تھی۔ ہمیشہ محتاجوں کا ہجوم آپ کے دروازہ پر رہتا .... آپؒ کے پاس اگر کچھ رقم آجاتی تو جب تک اس کو خرچ نہ کرلیتے تو آپ کو چین نہ آتا تھا۔

کتاب نفحات الانس کے مطابق ملتان کے ایک تاجر کو دوران سفر ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ وہ اپنے سارے مال و اسباب سے محروم ہوگیا۔ یہ سوداگر شیخ صدرالدین عارف جو حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا کے بیٹے اور سجادہ نشین تھے، کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں دہلی جانا چاہتا ہوں۔ آپ سلطان المشائخ سے میری سفارش کردیں تاکہ وہ میرے حق میں دعا فرمائیں اور مجھے سرمایہ تجارت حاصل ہوجائے۔ چنانچہ شیخ صدرالدین عارف نے حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں ایک رقعہ لکھ بھیجا۔ دہلی پہنچ کر اس تاجر نے یہ رقعہ حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپؒ نے اپنے خادم سے فرمایا

کہ کل صبح سے چاشت کے وقت تک جو تحائف بھی لوگ لے کر آئیں .... اس شخص کو دے دیئے جائیں۔

دوسرے دن آپؒ کے خدام نے اس تاجر کو اپنے پاس بٹھالیا اور جو تحفہ آتا اس کے حوالے کردیتے۔ صبح کے وقت سے چاشت تک بارہ ہزار تھیلیاں جمع ہوئیں، جو سوداگر کو مل گئیں۔

''تاریخ ہندی'' میں بھی آپؒ کی درگاہ کا کچھ احوال بیان ہوا ہے، جس کے مطابق طالبعلموں، حافظوں، آپ کے مریدوں اور طالبوں کے علاوہ تین ہزار دانشمند سلطان المشائخ کے ہاں سے وظیفہ پاتے تھے اور اپنی گزراوقات کرتے تھے۔

سماع کا بھی حضرت سلطان المشائخ کو از حد شوق تھا۔ اس مختصر کتاب میں محض چند واقعات پر ہی اکتفا کیا جائے گا۔ تفصیلی واقعات کا تذکرہ ان صفحات میں ممکن نہیں۔

کتاب سیر الاولیاء میں بیان ہوا ہے کہ حضرت شیخ المشائخ کی طبیعت پر سماع کا شوق غالب تھا۔ آپ کے دوست واحباب، مریدین وطالب اور حضرت بابا فریدالدین گنج شکر کے پوتے جو آپ کی خدمت میں رہتے تھے، نے علم موسیقی میں آپ کی خوش دلی کی خاطر بہت سی اختراعیں کیں اور اس موسیقی سے پرندوں کو اڑنے سے اور چرندوں کو چلنے، حرکت کرنے سے روک لیا جاتا تھا .... بائیس قوال خوش الحان حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کے ہاں ملازم اور وظیفہ خوار تھے۔

کتاب جوامع الکلام میں درج ہے کہ ایک بار حضرت سلطان المشائخ دوران سفر ایک مقام پر پہنچے تو ایک شخص نے کنوئیں پر رہٹ کے بیل چلانے والے اپنے ساتھی سے کہا:

''باہر رے بھیا باہر'' (باری آئی ہے بھیا، بھاری آئی ہے)

یعنی تیری باری آئی ہے اور بھاری باری آئی ہے۔

آپؒ کو اس شخص کے یہ الفاظ اچھے معلوم ہوئے اور آپ پر ایسا اثر ہوا کہ آپؒ نے بے اختیار رونا شروع کردیا۔ خواجہ اقبال اور خواجہ پیر خادمین آپ کے ہمراہ تھے۔ جو بڑا پر سوز گلا اور آواز رکھتے تھے، ہندی کے یہ الفاظ پرسوز لحن میں کہتے ہوئے آپؒ کے دولت خانہ تک

آپ کے ہمراہ آئے۔ان ہندی الفاظ سے پورادن آپؒ پر ذوق وشوق اور رقت طاری رہی۔
کتاب بحر المعانی کے مصنف نے لکھا ہے کہ" سلطان المشائخ مراتب غوثیت و فردانیت سے گزر کر مرتبہ محبوبی پر پہنچ گئے تھے۔اس کی تشریح "سیر الاولیاء" میں یوں ہے۔
"جب ولی کامل قطبیت وفردانیت وغیرہ کے مراتب طے کر لیتا ہے، محبوبیت یعنی معشوق کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔اس کی ذات مظہر اسرار الٰہی ہوجاتی ہے، اس کا ارادہ حق سبحانہ کا ارادہ ہو جاتا ہے۔اس کا بدن مبارک سرتا پا عطر الٰہی سے معطر ہو جاتا ہے اور جو شخص اس سے ملتا ہے، اس میں بھی یہ خوشبوئے عطر رچ بس جاتی ہے اور جب ایسے پاک باطن شخص کو قبر میں اتارا جاتا ہے تو قبر بھی معطر ہوجاتی ہے۔

(حضرت میاں محمد بخشؒ نے اس بارے میں کیا خوب کہا ہے)

درد منداں دے سخن محمد دیہن گواہی حالوں
جس پلے پھل بدھے ہوون آوے بُو دو مالوں

(مرتبین)

آج تک محبوبی کی علامت سلطان المشائخ کے مزار مبارک سے ظاہر ہورہی ہے۔طالبان کو چاہیے کہ ملاحظہ کریں۔سیر الاولیاء میں بہت سی حکائتیں اور نقلیں آپؒ کے مرتبہ محبوبی کی بیان ہوئی ہیں۔یہاں صرف چند نقلیں درج کی جارہی ہیں۔
"ایک بار کوتوال دہلی ظہیر الدین سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔اس نے دیکھا کہ لوبان کی خوشبو آرہی ہے۔اس نے سمجھا کہ شاید آپؒ کے حجرہ میں لوبان جل رہا ہے، لیکن خادم نے جب آپ کے حجرہ کا دروازہ کھولا تو وہ سخت حیران ہوا کیونکہ لوبان کا کہیں نام ونشان تک نہ تھا۔حضرت سلطان المشائخ نے اس کی حیرانگی کو رفع کرتے ہوئے فرمایا: "یہ لوبان کی خوشبو نہیں کسی اور چیز کی خوشبو ہے"۔

عطار کو بہ بند مکان را کہ من زہ دوست
بوئے کشیدہ ام کہ بمشک وغیر نیست

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ نے ایک بار اپنا کمبل جو آپ کے

پائے مبارک کے نیچے بچھا ہوا تھا، حضرت قاضی محی الدین کاشانیؒ کو دے دیا۔ اس کمبل میں سے خوشبو آتی تھی۔ قاضی محی الدینؒ نے اسے سر اور آنکھوں پر رکھا اور اپنے گھر چلے گئے اور ہمیشہ اس کمبل کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھا۔ اس کمبل میں ہمیشہ خوشبو بسی رہی، جس سے قاضی محی الدین اپنے آپ کو معطر کرتے رہے۔ قاضی صاحب کو ایک بار گمان ہوا کہ یہ خوشبو عارضی ہے، مگر مدت گزرنے کے بعد اس کمبل کو امتحاناً دھلوایا بھی گیا مگر خوشبو نہ ختم ہوئی اور نہ ماند پڑی۔ قاضی محی الدینؒ کو سخت تعجب ہوا اور حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام احوال بیان کیا۔ آپؒ نے چشم پرنم کے ساتھ فرمایا:

''قاضی صاحب! یہ محبت الٰہی کی خوشبو ہے کہ اس کے دوستوں کی ذات میں رچ بس گئی ہے''

ایں بوئے نہ بوئے بوستان است
ایں بوئے زکوئے دوستاں است

الغرض حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ ان بزرگوں میں سے ہیں کہ قبر میں سے بھی تصرف کرتے ہیں۔ دونوں جہانوں کا نظم و نسق آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ چنانچہ آپؒ کے مزار سے آج تک مخلوق خدا کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ طالبوں کو چاہیے کہ فیض پائیں۔ آپ کی بیماری اور وفات کے بارے میں مصنف سیر الاولیاء اور دیگر مورخوں کے مابین اختلاف ہے، لیکن آپ کے خاص مرید سید محمد کرمانی نے اپنی تصنیف وتالیف کردہ کتاب سیر الاولیاء کے باب چہارم میں بیان کیا ہے:

''جب سلطان المشائخ اناسی (79) برس کے ہوئے تو ماہ ذی الحجہ کی ابتداء 724 ہجری میں بیمار ہوئے۔ چار مہینے چند روز بیمار رہے اور چہار شنبہ کو طلوع آفتاب کے بعد ماہ ربیع الاول کی 13 تاریخ 725 ہجری میں وفات پائی۔ سرحد موضع غیاث پور دہلی جدید کے قریب مدفون ہوئے۔

جس مقام پر آج آپ کا روزہ مبارک ہے، یہاں ایک صاف وشفاف حوض تھا۔ اس کے گرد خواجہ جہان ایاز وغیرہ آپ کے مریدوں اور درد مسازوں نے بلند مکانات بنا رکھے

تھے۔آپؒ کے اکثر دوست جو آپؒ کی حیات میں فوت ہوئے ،آپ کے اشارہ سے اسی جگہ دفن ہوئے تھے۔ان کی قبروں پر سلطان المشائخ نے بڑے چبوترے (بعض چونہ کے اور بعض پتھر کے)بنوادیئے تھے۔آپ نے اس جگہ کا نام "حظیرہ" رکھا تھا۔اکثر آپؒ ان کی فاتحہ خوانی اور سیر کے لیے اس جگہ تشریف لاتے اور طعام نوش کرتے یا افطار کرتے تھے۔ خواجہ جہاں ایاز کے مکان پر (اب یہ جگہ مصنف کتاب ہذا محمد بولاق کا مسکن وماویٰ ہے۔ راقم الحروف حضرت سلطان المشائخ سے ہمشیرہ زادگی کی نسبت رکھتا ہے) استراحت فرماتے تھے۔

کیستم تا بغلامیت کنندم نسبت من
کہ غلامان ترا کاش غلام ہشم

راقم الحروف نے (مولف کتاب ہذا) نے ایک کتاب "مسمٰی مطلوب الطالبین" لکھی ہے۔اس میں سلطان المشائخ کا کل حال جمع کیا ہے۔اگر طالب حق کو درکار ہوتو وہ کتاب ملاحظہ کرے..................الحمد اللہ علیٰ ذلک۔

حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ

حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اوشی کے مرید اور خلیفہ تھے۔آپؒ کا سلسلہ نسب فرخ شاہ عادل بادشاہ کابل تک پہنچتا ہے اور فرخ شاہ کا نسب حضرت عمر فاروقؓ پر جا کر ختم ہوتا ہے۔آپؒ کے دادا شعیب نے اپنے اہل واعیال کے ہمراہ غزنی سے لاہور ہجرت کی۔بادشاہ وقت لاہور نے ان کی دیانت وامانت سے متاثر ہوکر انہیں قصبہ "کھوالہ" (واقع علاقہ ملتان) کا قاضی مقرر کیا۔ان کی وفات کے بعد بابا فریدالدین گنج شکر کے والد قاضی جمال الدین بادشاہ کی طرف سے قصبہ متذکرہ کے قاضی مقرر ہوئے ،جن کی قبر اسی قصبہ میں ہے۔قاضی جمال الدین کے تین بیٹے تھے۔

بڑے بیٹے کا نام اعزازالدین محمود تھا، منجھلے بیٹے کا نام بابافریدالدین مسعوداور چھوٹے بیٹے کا نام شیخ نجیب الدین متوکل تھا۔ان کی والدہ ماجدہ ملا وحیدالدین خجندی کی دختر تھیں۔یہ بہت صاحب کمال خاتون تھیں۔ان کی کمالیت اور اوصاف ملفوظات پیرانِ چشت میں جا بجا مذکور ہیں۔

صفحات ہذا میں کتاب سیر العارفین اور سیر الاولیاء اور راحت القلوب سے حضرت بابا فریدالدین گنج شکر کی زندگی کے چند روح پرور واقعات کا تذکرہ ملاحظہ ہو۔

''جب حضرت بابافریدالدین گنج شکرؒ تحصیل علم کے لیے ملتان میں آکر منہاج الدین ترمذی کی مسجد میں ٹھہرے تو ایک دن مسجد میں بیٹھے کتاب ''نافع''(علم فقہ) کا مطالعہ کررہے تھے کہ یکا یک حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ اوشی اسی مسجد میں تشریف لائے ....جنہوں نے دیکھا کہ ایک پارسا جوان کتاب کے مطالعہ میں مشغول ہے۔چنانچہ انہوں نے حضرت بابافریدالدین گنج شکرؒ سے پوچھا:

''اے نوجوان کیا پڑھا رہا ہے؟''

حضرت بابافریدالدین گنج شکرؒ نے مودبانہ عرض کی:

''نافع''

حضرت بختیار کا کیؒ نے فرمایا:

''کیا آپ کو معلوم ہے کہ اس سے آپ کو کیا فائدہ پہنچے گا؟''

آپؒ نے عرض کی:

''مجھے تو صرف خواجہ کی نگاہ کرم سے ہی فائدہ پہنچے گا''۔

اتنا کہہ کر حضرت بابافریدالدین گنج شکرؒ بزرگ کے پاؤں میں گر پڑے اور حضرت خواجہ بختیار کا کیؒ کے معتقد ہو کر آپ کے ہمراہ دہلی چلے گئے اور دہلی میں آپ سے ارادت حاصل کر کے مرید ہوئے۔(سیر العارفین)

جب حضرت بابافریدالدین گنج شکرؒ نے بلخ و بخارا کی سیاحت کی اور اکثر

بزرگوں سے شرف ملاقات حاصل کر کے دہلی واپس آئے تو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی عظمت و کرامت دیکھ کر پہلی ہی مجلس میں مرید ہو گئے۔ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ حضرت بابا فرید الدین پندرہ (15) اور ایک قول کے مطابق تیرہ (13) برس کی عمر میں مرید ہوئے تھے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

آپ کی عمر 95 اور 93 برس بیان کی گئی ہے۔ سیر الاولیاء میں یوں تذکرہ ہے کہ آپ بیعت کے بعد 80 برس تک بقید حیات رہے اور 95 برس کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت بابا فرید الدین کو "گنج شکر" کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک بار آپؒ نے اپنے مرشد کے حکم پر "طے" کا روزہ رکھا (طے کے روزہ میں تین دن متواتر کچھ کھایا پیا نہیں جاتا صرف شام کو دو تین گھونٹ پانی سے تین دن تک افطاری کی جاتی ہے) اور افطار نشیلے کھانے سے کی، مگر آپؒ کے معدہ نے یہ کھانا قبول نہ کیا اور اسی وقت قے ہو گئی۔ اسی دن رات کو یہ واقعہ آپ نے اپنے پیر و مرشد سے عرض کیا تو حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے فرمایا:

"اے فرید!............ تو نے "طے" کا روزہ رکھا اور پھر نشیلے کھانے سے افطار کیا۔ عنایت ایزدی تیرے شامل حال تھی کہ وہ کھانا تیرے پیٹ میں نہ ٹھہرا۔ اب تو دوبارہ "طے" کا روزہ رکھ اور جو کچھ غیب سے ملے اس سے افطار کر"۔

آپ نے پیر و مرشد کی زبان سے یہ بات سن کر دوبارہ "طے" کا روزہ رکھا، جو غیب سے ملنے والی چیز کے ساتھ افطار کے انتظار میں چھ دنوں تک طویل ہو گیا۔ اس عرصہ میں کھل تک اُڑ کر آپ کے منہ میں نہ گئی اور آپؒ کو انتہا درجہ ضعف ہو گیا۔ کوئی چیز غیب سے نمودار نہ ہوئی کہ آپ کھاتے۔ آخر کار آپ نے بے اختیار ہو کر چند کنکر منہ میں ڈالے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو شکر بنا دیا۔ آپ نے اس کو شیطان مردود کا فریب و جال سمجھ کر منہ سے نکال دیا، لیکن جب دوبارہ ضعف غالب ہوا تو پھر آپ نے کنکر اٹھا کر منہ میں ڈالے تو وہ شکر بن گئے۔ آپؒ نے پھر یہی سمجھا کہ یہ شیطان کا فریب ہے۔ چنانچہ دوبارہ آپ نے یہ شکر نہیں کھائی............ پھر آپ کو یاد آیا کہ مرشد نے فرمایا تھا کہ جو کچھ غیب سے ملے تو کھا لینا۔

یہ شکر غیب سے ہی تو مل رہی ہے۔ چنانچہ آپ نے کنکر اٹھا کر کھائے اور وہ قدرت الٰہی سے شکر میں تبدیل ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد سے آپ کو شکر بار، گنج شکر اور شکر خوار کہتے ہیں۔
(راحت القلوب۔ سیر الاولیاء)

ایک دن حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں جا رہے تھے کہ شدید ریاضت و ضعف کے باعث آپ کے پاؤں لڑکھڑا گئے اور آپؒ گر پڑے۔ گرنے کے دوران مٹی آپؒ کے منہ میں چلی گئی جو منہ میں پہنچتے ہی شکر میں تبدیل ہو گئی۔ اس مناسبت سے آپ کو گنج شکر کہا جاتا ہے۔ (سیر العارفین)

ایک بار ایک بہت بڑا سوداگر کئی ہزار شکر کے بیل لاد کر سفر کر رہا تھا کہ آپؒ نے اس سے شکر مانگی، اس نے کہا:

"اے فقیر یہ شکر نہیں، نمک ہے"

آپؒ نے سوداگر کا یہ جواب سن کر فرمایا:

"نمک ہی ہو جائے گا"

بعد ازاں جب سوداگر نے بورے کھولے تو دیکھا کہ سب بوریاں جو شکر کی تھیں، نمک سے بھری پڑی ہیں۔ چنانچہ وہ سوداگر سخت پریشان اور صدمہ کی حالت میں آپ کی خدمت میں آ کر آہ و زاری کرنے لگا کہ آپؒ اس نمک کو پھر اپنے تصرف سے شکر بنا دیں۔

سوداگر کی آہ و زاری سن کر آپؒ نے پھر دعا فرمائی اور پھر وہ سارا نمک شکر میں تبدیل ہو گیا۔ اس واقعہ پر ایک شعر بھی کسی نے کہا ہے:

کان نمک جہان شکر شیخ بحر و بر
کان از نمک کنند، و کنند از نمک شکر
(اخبار الاخیار)

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی وفات اولاد و خاندان

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے خاندان واولاد کا مختصر تذکرہ کیا جارہا ہے۔
آپ نے 5 محرم الحرام 668 ھجری قصبہ اجودھن عرف پاک پتن (ملتان) میں وصال فرمایا اور اسی قصبہ میں (جو آپ نے خود تجویز کیا تھا) مدفون ہوئے۔

آپؒ کے پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ پوتوں اور نواسوں کی تعداد بے شمار تھی۔ آپؒ کے بڑے بیٹے کا نام شیخ نصیر الدین تھا جو زمینداری، کاشتکاری کے پیشہ سے وابستہ تھے۔ آپ کے یہ بیٹے بھی بہت نیک اور پاکباز تھے۔ یادِ خدا اور توکل الٰہی سے غافل نہ رہتے تھے۔ آپؒ کے دوسرے صاحبزادے کا نام شیخ شہاب الدین تھا، جنہوں نے سپاہ گری کا پیشہ اپنا رکھا تھا اور سلطان المشائخ سے بہت انس رکھتے تھے۔ آپ کے تیسرے بیٹے شیخ بدرالدین سلیمانؒ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کے سجادہ نشین تھے۔ جو اپنے تمام بھائیوں کی اتفاق رائے اور مشورہ سے سجادہ نشین منتخب ہوئے تھے۔ شیخ بدر الدین اپنے والد گرامی کے روضہ کے اندر مدفون ہیں۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کو اپنے چوتھے صاحبزادے حضرت نظام الدین سب بیٹوں سے زیادہ عزیز تھے۔ آپ کے یہ صاحبزادے بڑے دلیر اور جنگ آور تھے۔ جب کفار کے لشکر نے اجودھن پر یلغار کی تو آپ کے یہ چوتھے بیٹے نہایت جوان مردی سے لڑ کر شہید ہوئے اور بہت تلاش کے بعد ان کی نعش مل سکی۔ بعض مورخوں کے نزدیک قلعہ "رتنبور" پر ان کا مزار ہے۔

حضرت فرید الدین گنج شکر کے پانچویں بیٹے حضرت شیخ یعقوب سب سے چھوٹے تھے۔ آپؒ کو سیر وسیاحت کا بہت شوق تھا اور گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ آپ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ آپ قصبہ "امروہہ" کی طرف جارہے تھے کہ مردانِ غیب آپ کو لے گئے۔

حضرت بابا فرید الدین کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت "بی بی مستوں" تھیں جو آخر دم تک پردہ ستر وصلاح میں رہیں اور شب وروز معبودِ حقیقی کی عبادت میں مشغول رہتی تھیں۔ آپ کی منجھلی صاحبزادی کا نام بی بی شریفہ تھا، جو شروع جوانی میں ہی بیوہ ہوگئی

تھیں۔آپ کی تیسری اور چھوٹی صاحبزادی بی بی فاطمہ تھیں۔یہ صاحبزادی مولانا بدرالدین اسحاق کے نکاح میں تھیں۔جب آپ کے خاوند مولانا بدرالدین اسحاق انتقال فرما گئے تو آپؒ اپنے دولڑکوں خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ کے ہمراہ قصبہ اجودھن میں صابر وشاکر رہ اور فقر و فاقہ سے رہتی تھیں۔جب حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء نے ان بی بی کا یہ احوال سنا تو حضرت بی بی فاطمہ کو دونوں لڑکوں سمیت اپنے ہاں بلالیا اور ان کی پرورش ونگہداشت اپنے ذمہ لے لی۔حضرت بی بی فاطمہ کا مزار ان کے چچا شیخ نجیب الدین متوکل کی پائنتی مندرہ دروازہ دہلی قدیم میں ہے،جو مرجع خلائق وعام ہے۔

حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے پوتے اور نواسے بے شمار ہیں۔اس مختصر کتاب میں ہر ایک کا احوال لکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔تاہم تبرکاً چند ایک کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔تاکہ عوام الناس مستفید ہوسکیں۔

حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے تیسرے بیٹے بدرالدین سلیمان کے ایک بیٹے قدوۃ العارفین مولانا علاءالدین تھے،جو حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے سب پوتوں میں ممتاز وسرفراز تھے۔اپنے والد شیخ بدرالدین کی وفات کے بعد سولہ برس کی عمر میں پیران چشت کے سجادہ پر اجلاس کی تقریب بلائی اور پھر چون (54) برس تک اس کی پاسداری کی۔چنانچہ آج تک یہ رسم آپ کی اولاد میں جاری ہے۔حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے یہ پوتے اپنے دادا کے مزار مبارک کے جوارح میں دفن ہیں۔سلطان محمد تغلق نے ان کے مزار پر ایک بڑا گنبد تیار کروایا تھا۔

حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے دو پوتے مولانا اعزازالدین اور خواجہ قاضی تھے،جو حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے پانچویں بیٹے حضرت شیخ یعقوب کے پسران تھے۔ان دونوں بھائیوں نے اپنا بچپن دادا محترم کی گود میں پرورش پا کر گزارا تھا۔حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ ان پوتوں کو بہت عزیز رکھتے تھے۔حضرت اعزازالدین کی وفات "دیوگیر" میں شہادت پانے سے ہوئی اور خواجہ قاضی چبوترہ یاران پر روضہ حضرت سلطان المشائخ کے پاس دفن ہوئے۔

حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے سب سے بڑے بیٹے شیخ نصیرالدین کے

ایک فرزند "مولانا کمال الدین" تھے۔ یہ بہت سخی اور اعلیٰ ہمت و استقامت کے مالک تھے۔ آپ سیر و سفر میں کھانا اپنے ہمراہ رکھتے اور کسی فقیر کو دست سوال پر خالی ہاتھ واپس نہ لوٹاتے تھے۔ یہ برکت و نسبت ان کو اس سبب سے حاصل ہوئی تھی کہ آپ کو بچپن میں اپنے دادا محترم کے بچن کی پتیلیاں دھونے کا شوق تھا اور اصرار کر کے شوق کے ساتھ پتیلیاں دھوتے تھے اور ان کو صاف کر کے ترتیب وار رکھتے تھے۔ بعداز وفات حضرت سلطان المشائخ کی پائنتی میں دفن ہونے کی سعادت حاصل کی۔

﴿باب نمبر 6﴾

سماع، وجد اور تجہیز و تکفین

ہوا میں پرواز اور حضرت بہاءالدین ذکریاؒ کی ضیافت

حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک بار میں حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کی خدمت میں حاضر تھا کہ قوال آئے اور آکر مجلس میں ایک غزل گانا شروع کر دی۔ حضرت خواجہ قطب الدین اور شیخ حمیدالدین ناگوری پر غزل کے ان اشعار نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا اور ان بزرگوں پر وجد کی حالت طاری ہوگئی۔ آناً فاناً دونوں بزرگ میرے دیکھتے ہی دیکھتے زمین سے اوپر اٹھے اور ہوا کے دوش پر سوار ہو کر پرواز کرنے لگے۔ دونوں بزرگوں نے اپنے دست مبارک میری طرف بڑھا کر مجھے بھی اپنی جمعیت میں ہوا کے دوش پر اٹھالیا۔ چنانچہ ایک دن اور ایک رات بندہ ان بزرگوں کے ہمراہ ہوا کے دوش پر سوار رہا اور لامتناہی عجائب و مراتب الٰہی کا مشاہدہ کیا۔ (کتاب سیر الاولیا)

کتاب رفیق العارفین میں بیان ہوا ہے کہ شیخ الاسلام اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ایک بار سیر کرتے ہوئے ملتان تشریف لے گئے اور ایک مسجد میں

جا ٹھہرے۔جب ان بزرگوں کی تشریف لانے کی خبر حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ کو ہوئی تو ایک خادم کو ان کی خدمت میں بھیجا۔اس خادم نے دیکھا کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ وضو فرما رہے ہیں اور جو قطرہ پانی کا آپؒ کی داڑھی کے بالوں سے گرتا ہے، فرشتے اس کو نور کے طبق (تھال) میں رکھ کر آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔یہ خادم صاحب باطن تھا۔یہ ماجرا دیکھ کر نہایت حیران ہوا اور بہت جلد واپس آ کر حضرت بہاؤ الدین ذکریا ملتانی کی خدمت میں یہ احوال عرض کیا تو حضرت خواجہ بہاؤالدین ذکریا ملتانی یہ سن کر خود مسجد میں تشریف لے آئے اور دونوں بزرگوں سے مصافحہ کیا۔حضرت خواجہ قطب الدین نہایت مسرور ہوئے اور شکریہ ادا کیا کہ حضرت خواجہ بہاءالدین ذکریا نے ان کو شرف ملاقات سے نوازا۔تینوں بزرگ کافی وقت مسجد میں بیٹھے، نادر حکائتیں بیان کرتے رہے۔اس مجلس سے ان بزرگوں میں محبت والفت پیدا ہوئی۔چنانچہ حضرت بہاءالدین ذکریا، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو پالکی میں سوار کروا کر مسجد سے اپنی خانقاہ میں لے گئے اور ان کی عمدہ ضیافت کر کے مہمان داری کی۔تین دن عمدہ ضیافتیں ہوتی رہیں۔تیسرے دن حضرت خواجہ بختیار کاکی نے اشارۃً فرمایا۔آپ نے مہمانداری تو خوب نبھائی مگر کچھ تشنگی ابھی باقی ہے۔

..............حضرت خواجہ بہاءالدین ذکریا ملتانی خواجہ قطب الدین کے اس اشارہ کو سمجھ گئے اور بہت جلد قوال بلا کر محفل سماع ترتیب دی۔مجلس آراستہ ہوئی۔سماع شروع ہوا۔خواجہ بہاءالدین ذکریا مجلس سے اٹھ کر خانقاہ کے دروازہ پر دربانی طریقہ سے بیٹھ گئے۔جب سماع کا شور بلند ہوا اور قریبی آبادی میں پہنچا تو ملتان کے علماء وفضلاء جمع ہو کر حضرت شیخ بہاءالدین ذکریا ملتانی کے پاس آئے اور کہا کہ آپؒ کی مجلس میں ایسا خلاف شرع فعل نہیں ہونا چاہیے۔حضرت شیخ بہاءالدین ذکریا ملتانی نے نہایت نرمی سے فرمایا۔

''ایک بزرگ شخص میرا مہمان ہوا ہے، جن کو سماع عزیز ہے اور ہم کو ان درویشوں کے حال میں مزاحم نہیں ہونا چاہیے کہ اس سے خلل اور خرابی پیدا ہوتی ہے...... میں منع نہیں کر پاؤں گا۔ہاں آپ لوگ خود اگر ہمت ہے تو جا کر ممانعت کر دیں..........؛

حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانیؒ کا یہ جواب پا کر ملتان کے علماء وفضلاء سماع سے روکنے اور منع کرنے کے لیے خانقاہ کے اندر آئے تو دیکھا کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ہوا میں رقص کر رہے ہیں اور معلق حالت میں سماع سن رہے ہیں۔ ان علماء اور معلمین نے جب یہ ماجرا دیکھا تو ان پر خوف طاری ہو گیا اور چپکے سے بغیر کچھ کہے پوچھے پیچھے ہٹ آئے۔ بعض خانقاہ کے اندر ہی عقیدت سے سربجود ہو گئے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے باطنی نور نے ان کو ایسا متاثر کیا کہ کپڑے بدن کے پھاڑ ڈالے۔

جب سماع ختم ہوا تو سب نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے پاؤں پر اپنے سر رکھ کر قصور معاف کروانے اور مطیع ہونے کی کوشش کی۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے فرمایا:

''یہ ولایت خاص شیخ بہاء الدین کے لیے ہے، میں اس شہر میں مرید نہیں کر سکتا۔ یہاں بیعت لینی حضرت بہاء الدین ذکریا کے لائق ہے.................''۔

قصہ مختصر حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کئی دن یہاں قیام فرما رہے۔ جب دہلی کے لیے روانہ ہوئے تو کئی علمائے معترض بھی آپؒ کی عقیدت کے ساتھ بصد شوق واصرار آپؒ کے ساتھ چلے آئے اور ''ہانسی'' کے مقام پر پہنچ کر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرید ہوئے۔ یہ علاقہ باطنی طور پر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی عملداری میں تھا۔ (کتاب رفیق العارفین)

سات دن کی بے ہوشی اور وجد

ایک واقعہ کتاب فوائد السالکین میں یہ بیان ہوا ہے کہ ایک موقع پر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی مجلس میں قوال آئے اور یہ شعر نہایت خوش الحانی سے گانا شروع کیا۔

سرود چیست که چندیں فسونِ عشق دوست

سرود محرم عشقست محرمِ اُوست

یہ شعر سن کر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی یہ حالت ہوگئی کہ سات دن بے ہوش رہے اور بے ہوشی کی حالت میں بالکل کچھ نہ کھایا پیا۔ مگر بوقت نماز ہوش میں آجاتے اور نماز ادا کرنے کے بعد پھر بے ہوش ہوجاتے تھے۔

(کتاب فوائد السالکین)

ایک دن حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی مجلس میں حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ، قاضی حمید الدین ناگوریؒ اور شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے علاوہ چند دیگر اعزاء بھی حاضر تھے۔ اس اثناء میں قوال حاضر ہوئے اور ساز بجانے لگے۔ حضرت خواجہ قطب الدینؒ کی حالت ساز سے بدلنے لگی اور آپؒ نے اٹھ کر گھر کے صحن میں وجد کرنا اور دوڑنا شروع کردیا۔ جب آپ بیچ میں کچھ وقت ساکت ہوتے تو آپ کے احباب آپ کے قدموں میں گر جاتے۔ آپ اسی حال میں شیخ فریدالدین سے فرماتے کہ ان کو اٹھاؤ۔ چنانچہ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر ان کو اٹھا کر آپ سے دور کرتے۔ حضرت خواجہ قطب الدین کبھی حجرہ میں اور کبھی صحن میں دوڑتے پھرتے اور بار بار سربسجود ہوتے اور روتے جاتے۔ ہر دم آپ کے منہ سے آہ و نالہ نکلتا تھا۔ (کتاب جوامع الکلام)

پیران چشت کے ارکان

پیران چشت کے دو ارکان ہیں:

۱۔ رکن نماز ۲۔ رکن سماع

نماز پوری باخودی ہے۔ اس میں قیام، قرات، رکوع و سجود کا ہوش قائم رکھنا

چاہیے تا کہ نماز فاسد نہ ہو جائے۔اور جو دوسرا رکن ہے وہ پوری بے خودی ہے۔پس صاحب سماع کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو خودی سے خالی کرے بلکہ سوائے حق کے سب کو دل سے محو کر دے۔صوفی کا ایک ادنیٰ مرتبہ اختراق ما سوائے اللہ ہے۔یعنی اس کو سوائے اللہ کے کوئی خیال اور کوئی تصور کوئی واہمہ نہ سوجھے۔اور دل میں ما سوائے محبت الٰہی کے اور کسی چیز کی قطعی کوئی طلب نہ رہ جائے۔پس مرتبہ خودی اور بے خودی میں بڑا فرق ہے۔ (کتاب آداب السالکین)

سلطان شہاب الدین غوری کا اعتراض

جب حضرت خواجہ سید قطب الدین بختیار کا کیؒ و قاضی حمید الدین نا گوریؒ نے شہر دہلی میں مجلس سماع منعقد کی تو بہت خلق اس میں شامل ہوئی۔سلطان شہاب الدین غوری کو اس بات سے حسد ہو گیا اور وہ معترض ہوا کہ سماع حضرت امام ابو حنیفہ کے مذہب میں حرام ہے اور اگر حضرت خواجہ بختیار کا کیؒ اس کی عملداری کے شہر میں سماع کی محفل کا انعقاد کریں گے تو سلطان ان کو شہر سے نکال دے گا۔

جب حضرت خواجہ بختیار کا کیؒ نے یہ سنا تو فرمایا جو شخص محض ظالم ہے، سماع اس پر حرام ہے اور ہم پر حلال ہے۔نیز آپ نے مزید فرمایا کہ سلطان کو بہت جلد ایک سفر در پیش ہو گا اور وہ اس سفر سے زندہ واپس دہلی نہیں آئے گا۔

چنانچہ انہی دنوں سلطان شہاب الدین غوری کو ایک سفر در پیش آیا اور اسی سفر کے دوران اس کو جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔حضرت خواجہ بختیار کا کیؒ کا فرمان من و عن پورا ہو کر رہا۔خدا نے سلطان شہاب الدین غوری کو دہلی آنے کی مہلت نہ دی، جو وہ فقراء کے لیے موجب آزار بنتا۔ (کتاب تذکرۃ الاصفیاء)

قاضی سعد اور مفتی عماد کا حسد

جب حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ اور قاضی حمید الدینؒ نے دہلی میں وجد و سماع کی محافل کا انعقاد کرنا شروع کیا تو قاضی سعد و قاضی عماد جو دہلی کے سلطان کے دانشمندوں اور مصاحبوں میں سے تھے، حسد کرنے لگے اور سلطان شمس الدین سے کہا کہ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ سماع میں مشغول رہتے ہیں، جو حرام فعل ہے۔ ان دنوں میں حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کی عمر بیس برس تھی اور آپؒ کی زندگی کا اوائل زمانہ تھا۔

سلطان نے ان کی باتیں سنیں اور جواب دیا:

''آپ لوگ دانشمند اور صاحب شریعت ہیں، خود جا کر منع کردو''۔

چنانچہ سلطان کی بات سننے کے بعد دونوں نے حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کو سماع سے منع کرنے کا ارادہ کرلیا اور راستہ میں مشورہ کیا کہ محفل سماع کی مجلس میں سوال اٹھا کر ان کو لاجواب کیا جائے گا۔ جب یہ دونوں مجلس میں پہنچے تو حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کو کھڑا پایا۔ ان کو دیکھتے ہی سوال کیا کہ شریعت کی یہ شرط ہے کہ محفل سماع میں ''امرد'' (بے داڑھی شخص) نہیں ہونا چاہیے (اس وقت حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کی داڑھی نہ نکلی تھی) حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ نے اپنے دونوں ہاتھ منہ پر پھیرے تو اسی وقت ان کی ریش مبارک پیدا ہوگئی۔ دونوں یہ ماجرا دیکھ کر حیران ہوئے اور سلطان شمس الدین التمش کے پاس جا کر سارا ماجرا بیان کیا۔ یہ بات سن کر سلطان التمش کا اعتقاد حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ پر مزید پختہ ہو گیا۔ مگر اس کے باوجود ان دونوں نے سلطان کے کان بھرنے کی کوشش کی کہ یہ فتنہ بہت بڑا ہے اور بادشاہ کے لیے اس کا رفع کرنا لازم ہے۔

سلطان نے جواب دیا کہ ''نہیں حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے کاموں میں رخنہ ڈالنا مناسب نہیں۔ اس کے حال و افعال پر ہمارا خاموش رہنا ہی بہتر ہے''

لیکن ان لوگوں نے کہا:

''ہم با شرع لوگ ہیں، اور ہم ایسے کاموں کو غیر شرعی سمجھتے ہیں، اس فتنہ پر خاموش نہیں رہ سکتے''۔

بادشاہ نے پوچھا!

''مجھ سے کیا چاہتے ہو؟''

ان لوگوں نے کہا:

''ہم کو شہر کا مفتی وقاضی مقرر کر دیا جائے تو ہم اس پر شریعت کے احکام جاری کریں گے''

بادشاہ نے ان کی ضد کو دیکھتے ہوئے قاضی سعد کو'' قاضی شہر'' اور قاضی حماد کو مفتی مقرر کر دیا۔ جب دونوں اپنے اپنے عہدوں پر براجمان ہوئے تو اپنا ایک ایلچی حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے پاس اپنا پیغام دے کر بھیجا کہ ہم شہر کے قاضی اور مفتی مقرر ہوئے ہیں، تم محکمہ میں حاضر ہو کر حرمت سماع پر مباحثہ کرو۔

حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ نے نہایت نرمی اور شیریں مزاجی کے ساتھ ایلچی سے فرمایا:

''کل میرے پیر کی فاتحہ کا دن ہے، مہلت دو۔ سماع وعرس سے فراغت پا کر محکمہ میں حاضری دوں گا''۔

قاضی کے ایلچی نے آپ کا یہ پیغام پہنچا دیا۔ دونوں نے یہ بات قبول کر لی مگر حسد کی کسک ان کے دل سے جاتی نہ تھی۔ چنانچہ عوام الناس کے لیے احکامات جاری کروا دیے کہ مجلس سماع میں کوئی شخص نہ جائے۔ جب مجلس کا دن آیا تو حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ نے مجلس آراستہ کی تو مجلس میں کوئی شخص نہ آیا۔ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے خادمین نے یہ صورت حال دیکھ کر عرض کی کہ سوائے خدمت گاروں کے دوسرا کوئی شخص نہیں آیا ہے، جو کھانا تیار ہے، اس کے لیے کیا حکم ہے۔ اس کو کون کھائے گا؟

آپؒ خادمین کی بات سن کر مسکرائے اور فرمایا:

''جتنا کھانا تیار ہے، اس سے دوگنا کھانا مزید تیار کرو کس کی مجال ہے کہ خلق اللہ کو مجلس میں آنے سے منع کرے''۔

خادمین نے حسب ارشاد مزید کھانا پکوا دیا۔ کچھ وقت گزرا تھا کہ حضرت خواجہ بہاء الدین ذکریا ملتانی اپنے بہت سے آدمیوں کے ساتھ تشریف لائے اور غربی دروازہ سے مجلس میں داخل ہوئے ان کو مجلس میں جانے سے روکنے والے اہلکاروں میں سے کوئی شخص نہ دیکھ پایا۔ قدرت الٰہی سے ان دربانوں کی بصارت پر ایسا پردہ آ گیا کہ جو شخص چاہتا تھا، مجلس میں چلا جاتا تھا۔ مزید کچھ وقت گزرا تو شیخ جلال الدین تبریزیؒ بھی بہت سے فقیروں کی معیت میں شرقی دروازہ سے اندر آئے۔ ان کے ساتھ بہت سی خلقت تھی، جو مجلس میں پہنچ گئی۔ اس خلقت کی آمد و رفت کی دربانوں کو مطلق خبر نہ ہوئی۔

قاضی سعد اور مفتی عماالدین کے احکامات دھرے کے دھرے رہ گئے۔ حسب موافق مجلس سماع شروع ہوئی اور جب یہ خبر قاضی سعد اور مفتی عماد تک پہنچی تو صورت حال معلوم ہونے پر کہ کس طرح دربانوں کی بصارت نے کام کرنا چھوڑ دیا، خاموشی اختیار کر لی حتیٰ کہ خود بھی محفل سماع چلے آئے۔

اس محفل سماع میں بدرالدین نے حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے قدموں میں سر رکھ کر استدعا کی کہ انہیں مرید بنا لیا جائے .... قاضی حمید الدین نے اس موقع پر فرمایا کہ ''اگرچہ میں نے اس کو بباطن اپنا مرید جانا ہے تو لازم ہے کہ ظاہری بیعت کی رسم بھی ادا کر دی جائے۔ چنانچہ حضرت خواجہ نے ان کو اسی وقت اپنا مرید کر لیا اور مطلب حقیقی تک پہنچایا۔ (کتاب سنائل)

یہاں پر مصنف کتاب روضۃ الاقطاب (فارسی) اپنا حوالہ دے کر تحریر کرتے ہیں کہ جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے وفات پائی تو آپ محفل سماع میں تھے، اس لیے آپ کی محافل وجد و سماع کے احوال کے بیان کا نام ''باب سماع'' رکھا ہے۔

سید خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی جائے مدفن کا تعین

جب حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کی عمر آخر ہوئی تو ماہ رمضان المبارک میں آپ پر نقاہت غالب ہو گئی مگر آپ نے سب روزے رکھے اور کوئی روزہ فوت نہ ہونے دیا۔ عید الفطر کے موقع پر عید گاہ گئے اور نماز عید سے فارغ ہو کر اپنی جائے مدفن پر پہنچ کر کھڑے ہو گئے اور بہت وقت تک کھڑے رہے۔ آپ کے عزیز واقربا بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ سے عرض کی گئی کہ گھر تشریف لے چلیں کہ خلق خدا زیارت و مبارکباد عید دینے کے لیے آپ کی منتظر ہے اور گھر چل کر تھوڑا کھانا تناول فرمائیں اور خلقت کو شرف ملاقات سے نواز کر رخصت فرمائیں۔

آپ نے فرمایا:

''مجھے زمین کے اس حصے سے پاک دلوں جیسی خوشبو آتی ہے اور میرا دل یہ چاہتا ہے کہ میرا مدفن یہی جگہ بنے۔ اسی وقت مالک زمین کو بلا کر زمین کی قیمت اپنی گرہ سے ادا کی اور پھر اپنے گھر تشریف لے گئے۔ (سیر الاولیا)

خواجہ بزرگ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے جانشین کا تعین

حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کی عمر کے آخری ایام کا ذکر ہے کہ جب آپ کی دائمی جدائی کا وقت قریب آ گیا تھا۔ قاضی حمید الدین ناگوری نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی۔

''حضور کی حالت دگر گوں ہے، لازم ہے کہ خلفاء میں سے کسی کو جانشین مقرر فرما دیں۔ اگرچہ آپ کے بڑے صاحبزادے اس وقت حاضر مجلس تھے، مگر خواجہ بزرگ نے ان پر کچھ التفات نہ کی اور فرمایا:

''یہ خرقہ، نعلین و عصا بطور امانت میرے مرشد سے مجھ تک پہنچا ہے۔ جس وقت

میرا مرید فرید ہانسی سے یہاں آئے اس کو یہ سب چیزیں دے کر میرا جانشین مقرر کریں"

جس رات آپ کا انتقال ہوا، اسی رات کو حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر نے خواب میں دیکھا کہ ان کے مرشد حضرت خواجہ بختیار کا کیؒ کو خدا نے اپنے حضور طلب کیا ہے۔ بابا فرید الدین گنج شکر سمجھ گئے ان کے مرشد پاک کا وصال ہو چکا ہے۔ بمشکل رات گزاری اور صبح کو روتے ہوئے ہانسی سے دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ ادھر یہاں دہلی سے شیخ حمید الدین ناگوری نے ایک آدمی کو وصال نامہ دے کر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں بغرض اطلاع روانہ کر دیا۔ جب حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر قصبہ "مہم" میں پہنچے جو ہانسی اور دہلی کے درمیان ہے، تو قاضی حمید الدین ناگوری کا روانہ کردہ شخص آپؒ کو

ملا اور حضرت خواجہ بختیار کا کیؒ کے وصال کی خبر پر مبنی خط ان کو دیا۔ (کتاب سیر العارفین)

حضرت بابا فرید کی سجادہ نشینی اور عقیدت مند سرہنگا

ایک دن حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک اٹھے اور ہانسی جانے کا قصد کر کے اپنے مرشد سے اجازت چاہی۔ حضرت خواجہ بختیار کا کیؒ کو آپ سے نہایت محبت تھی، آبدیدہ ہو کر فرمایا:

"اے فرید تو جائے گا؟"

فرید الدین نے عرض کی:

"جو حکم ہو"

حضرت بختیار کا کیؒ نے فرمایا..................

"میں کیا کروں! .... جا! تیری تقدیر نہیں چاہتی کہ تو میرے

انتقال کے وقت موجود ہو............ میں بھی اپنے مرشد حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے انتقال کے وقت حاضر نہیں تھا۔ اتنا فرما کر آپؒ نے سر جھکا لیا۔ پھر سر اٹھا کر فرمایا کہ اس فقیر کی استقامت و استقلال (فرید الدین گنج شکرؒ) اور نعمت دین و دنیا کے لیے سورہ فاتحہ و سورہ اخلاص پڑھو۔ سب نے آپؒ کے ساتھ سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھی اور حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے حق میں دعا فرمائی کہ تجھ کو خدا تعالیٰ بزرگ مشائخوں میں سے کر کے استقامت عطا فرمائے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ نے اپنا مخصوص مصلیٰ اور عصا حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کو عنایت کرنے کے بعد فرمایا:

''تمہاری باقی امانت خرقہ، دستار و نعلین جو پیرانِ چشت سے واسطہ بہ واسطہ مجھ تک پہنچی ہیں، قاضی حمید الدین ناگوری کے حوالہ کر دوں گا۔ جب تم میری قبر پر ہانسی سے آؤ گے تو یہ امانت مل جائے گی۔ خرقہ پہن کر میری جگہ پر خوشی سے بیٹھنا اور خلقت خدا کو ہدایت کر کے فیض پہنچانا''۔

خواجہ موصوف یہ باتیں کر رہے تھے کہ حاضرین مجلس نے ایک نعرہ مارا اور سب زار و قطار رونے لگے۔ اس وقت آپ کی محفل کا منظر قابل دید تھا، سب دکھ و الم سے ہوکیں مار مار کر رو رہے تھے۔

دل کا بوجھ ہلکا ہونے پر سب نے حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے حق میں دعا کی .... الغرض حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کو ہانسی میں پہنچے ہوئے تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ قطب الاسلام حضرت بختیار کاکیؒ بیمار پڑ گئے۔ قاضی حمید الدین ناگوری اور بدر الدین غزنوی کی یہ خواہش تھی کہ قطب الاقطاب کا جانشین بوقت وفات ان کے پاس ہو، لیکن حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ نے قاضی حمید الدین ناگوری اور بدر الدین غزنوی کو پیران چشت کی امانت خرقہ، دستار اور نعلین دکھا کر فرمایا:

''جس وقت گنج شکر یہاں آئیں یہ امانت اس کو دے دینا اور میری جگہ پر بٹھانا''۔

جس رات قطب الاقطاب حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ نے وفات پائی، اس رات

حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کو خواب میں آپ کی وفات کی اطلاع ہوگئی تھی۔ چنانچہ حضرت فریدالدین گنج شکرؒ ہانسی سے دہلی حضرت خواجہ بزرگ کی وفات کے پانچویں دن دہلی پہنچے تو قاضی حمیدالدین و بدرالدین نے وہ خرقہ آپ کو پہنا کر وہ سب چیزیں دے دیں جو پیرومرشد نے ان کے لیے چھوڑ دی تھیں اور پھر ان کو پیرومرشد کی مسند پر بٹھایا۔ بادشاہ، وزیر شہر کے چھوٹے بڑے سب اس موقع پر حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کو دیکھنے کے لیے آئے اور ایک ہجوم جمع ہوگیا.................. حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کے ہمراہ ایک آدمی، جس کا نام "سرہنگا" تھا، ہانسی سے آیا ہوا تھا۔ اس شخص کو حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کو دیکھے بغیر چین نہ آتا تھا، لیکن دہلی میں حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کی مسند پر بیٹھنے اور سجادہ نشینی کی وجہ سے ہمہ وقت آپ کے گرد ملاقاتیوں اور عقیدت مندوں کا ہجوم رہنے لگا۔ "سرہنگا" کو دربانوں نے آپ تک نہ پہنچنے دیا۔ چنانچہ وہ آپؒ کو نہ دیکھ پایا۔

حسن اتفاق کہ ایک دن آپؒ گھر سے باہر نکلے تو ایک جگہ سرہنگا کو بیٹھے زار و قطار روتے ہوئے دیکھا۔

آپ نے حال واحوال دریافت کیا تو سرہنگا حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کے قدموں میں گر کر رونے لگا اور استدعا کی کہ جب آپ ہانسی میں تھے، تو میں روز آپؒ کا دیدار کرلیتا تھا۔ مگر جب سے آپ دہلی تشریف لائے ہیں، اس کے بعد میں آپؒ کے دیدار سے محروم رہا۔ لوگوں کی کثرت کے سبب آپ تک رسائی حاصل نہ کر پایا۔ خدارا مجھے اپنے دیدار سے محروم نہ ہونے دیجیے"۔

سرہنگا کی باتیں سن کر آپ نے اسی وقت ہانسی جانے کا قصد کرلیا اور فرمایا کہ جو نعمت خداوند کریم نے میرے حق میں عطا کر رکھی ہے، وہ میرے ساتھ ہے خواہ میں شہر میں رہوں یا جنگل بیاباں میں۔ (کتاب سیرالاولیاء)

سماع کی کیفیت

کشتــــگـــــان خـــنـــجـــر تســـلیـــم را
ہـــر زمـــــان از غیـــب جـــان دیـــگـــر ســـت

ایک بار جب متذکرہ بالا شعر حضرت خواجہ بختیار کا کیؒ نے سنا تو ان پر وجدانی کیفیت طاری ہوگئی۔ حضرت خواجہ بزرگ ایک آہ کھینچ کر نعرہ لگانے لگے تھے کہ خواجہ حمید الدین ناگوری نے اپنے ہاتھ سے آپ کا منہ بند کر دیا اور عرض کی کہ اس سے تو تمام عالم جل کر راکھ ہو جائے گا۔ حضرت خواجہ نے منہ بند کر دیا، لیکن آپ کا تمام جسم تپ کر تانبا بن گیا تھا۔ (کتاب سنائل)

ایک دن شیر علی سنجری کی خانقاہ میں مجلس سماع گرم تھی۔ حضرت خواجہ قطب الدین بسبب دوستی و اخلاص مجلس میں حاضر ہوئے اور بیٹھ کر راگ سننے لگے۔ قوالوں نے شیخ احمد جام کا قصیدہ نہایت خوش الحانی سے گانا شروع کیا اور جب قوال گاتے گاتے اس شعر پر پہنچے

کشتــــگـــــان خـــنـــجـــر تســـلیـــم را
ہـــر زمـــــان از غیـــب جـــان دیـــگـــر ســـت

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ کے دل پر اس شعر نے نہایت شدید اثر کیا اور بے ہوش ہو کر نزع کی حالت میں چلے گئے۔ جب مجلس برخواست ہوئی تو خواجہ موصوف کو اسی بے ہوشی کی حالت میں گھر لایا گیا۔ قوال بھی ہمراہ آئے اور آپ کے گھر میں چار روز تک مسلسل قوالی ہوتی رہی۔ آپ ہر وقت قوالوں سے یہی شعر سنانے کی تکرار کرواتے رہے۔ آپ پر بے ہوشی طاری رہی مگر نماز کے وقت ہوش میں آکر نماز ادا کرتے اور پھر اسی کیفیت میں چلے جاتے۔ (کتاب سیر الاولیاء)

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ کا وقت وصال

مولانا فخرالدین رازی اپنی تصنیف ''اصول السماع'' میں رقمطراز ہیں کہ جب خواجہ کوسماع میں تحیر زیادہ ہوا اور قوت برداشت نا کافی ثابت ہونے لگی تو بےقرار ہوکر مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔اس وقت آپ کے مریدین اور طالب وعقیدت مند آپ کو حکیم شمس الدین کے پاس لے گئے۔تا کہ علاج کروائیں۔یہ حکیم بہت حاذق تھا۔اس نے مادہ زحمت کا دریافت کر کے کہا کہ اس شخص کا جگر آتش عشق سے جل کر پگھل گیا ہے اور لا علاج ہے اور کہتے ہیں کہ قوال جب مصرع اول ''کشتگان خنجر تسلیم را'' پڑھتے تو حضرت خواجہ کی روح مادی قالب سے جدا ہو جاتی تھی اور جب مصرع ثانی پڑھا جاتا تو پھر مادی قالب میں واپس آجاتی تھی .... مگر جب اس بات سے خواجہ بختیار کاکی تکلیف محسوس کرنے لگے تو قوالوں نے آپ کے دوستوں اور احباب کے مشورہ سے مصرع اول بہت بار پڑھ کر دھرایا تو حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ وفات پا گئے۔

بدرالدین غزنوی کہتے ہیں کہ جس رات حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے وفات پائی تو میں نے اپنے بغل میں خواجہ بزرگ کے دونوں پاؤں تھام رکھے تھے اور آپکا سر قاضی حمیدالدین کے زانو پر تھا۔اس حال میں میری آنکھیں ذرا غنودگی سے بند ہوئیں تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت خواجہ قطب الدین آسمان کی جانب پرواز کر رہے ہیں اور مجھ سے فرماتے ہیں:

''اے بدرالدین خدا کے دوستوں کی موت نہیں ہوتی''۔

جب میں نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ حضرت خواجہ کی روح مبارک قفس عنصری سے اپنا رشتہ توڑ چکی تھی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

منکر نکیر کے ہاتھوں خدا کا پیغام

جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو دفن کیا گیا تو فرشتے منکر نکیر آئے اور باری تعالیٰ کا سلام پہنچایا۔ایک کاغذ کا پرچہ جس کا رنگ سبز تھا،بغل سے نکال کر حضرت خواجہ کو پیش کیا۔اس پرچہ پر لکھا تھا:

''اے خواجہ! میں تجھ سے راضی ہوں،تو بھی مجھ سے راضی ہوا اور تیری برکت سے آج تمام خلقت کا عذاب قبروں سے موقوف کیا''۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی وفات ہفتہ اور اتوار کی رات ماہ ربیع الاول کی چودہ تاریخ 633ھ کو سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں واقع ہوئی

آپ کی عمر کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔کتب تواریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی عمر مبارک 74 برس تھی اور جو اس سے کم بتاتا ہے،وہ غلط ہے۔کتاب اسرار الاولیاء کا مصنف لکھتا ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی عمر مبارک سو برس سے چند سال زائد تھی کیونکہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ماہ رجب 513ہجری میں پیدا ہوئے اور 633 ہجری میں وفات ہوئی تو اس طرح آپ کی عمر سو سال سے زیادہ ثابت ہوتی ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)

آپ کا روضہ منورہ دہلی قدیم میں مخلوق خدا کی زیارت گاہ ہے،جس کا مزاج چاہے زیارت کرے۔(کتاب سائل)

☆☆☆☆☆

﴿باب نمبر 7﴾

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے روضہ اور اس کے اردگرد مدفون بزرگان

حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے روضہ مبارک کے پاس اور اس کے گرد ونواح میں بذیل بزرگ آپؒ کے دوست واحباب، عقیدت منداور صلبی اولادیں دفن ہیں۔

شیخ بدرالدین غزنویؒ

آپ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ اوشی کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ آپ کو بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ آپ کے ان خلیفہ کی بزرگی وعظمت کا خاصا احوال

بزرگانِ چشت کے ملفوظات میں دیا گیا ہے۔ان کا آبائی وطن "غزنی" ہے۔آپ لاہور کی ایک بستی میں آئے اور وہاں سے حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کی بزرگی وعظمت کا چرچا سن کر بڑے اشتیاق کے ساتھ دہلی چلے آئے اور حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ سے بیعت لے کر آپ کے ہونہار شاگردوں کی صف میں شامل ہوئے اور خلافت کا درجہ پایا.................

بعض لوگ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے غزنی میں ایک خواب دیکھا:

"کہ ان کی ارادت کا سلسلہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے جڑ گیا ہے۔چنانچہ آپ فوراً گھر سے خواجہ کی تلاش میں نکل پڑے اور آپ کی تلاش وجستجو میں کئی منزلیں اور مراحل طے کرتے ہوئے دہلی پہنچے اور ظاہر میں بھی آپؒ سے مرید ہوگئے۔سیر الاولیا اور دوسری کتابوں میں تحریر ہے کہ آپ کثرت سے ذکر اذکار میں مشغول رہتے تھے۔ آپ اپنے کلام میں بڑی گہری اسرار ورموز کی باتیں بیان کرتے تھے اور خصوصاً محبت کا ذکر اپنے مخصوص انداز سے کرتے تھے۔یہ بزرگ جب ذکر کی محفل منعقد کرتے تو اس محفل میں شیخ فرید الدین گنج شکر،قاضی حمید الدین ناگوری،سید مبارک غزنوی اور مولانا امجد الدین حاجی حاجرنی اور دیگر اہل دہلی کے بزرگ شریک ہوتے تھے۔آپ کو کیفیت وراگ میں نہایت قوت وغلبہ حاصل تھا۔حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ شیخ بدرالدین جب بوڑھے ہوگئے تو جگہ سے ہل نہ سکتے تھے اور سرکنے تک کی طاقت بھی نہ رہی تھی،لیکن سماع کے وقت یہ کیفیت ہوتی تھی کہ گویا دس برس کا لڑکا اچھل رہا ہے۔ان سے ایک بار عرض کیا گیا کہ آپ اتنے بوڑھے ہو کر اس قدر وجد میں کس طرح آجاتے ہیں؟ فرمایا:

"میں خود نہیں اچھلتا،عشق اچھالتا ہے"

؎　من اگر پیر شدم جوانست ہنوز

سیر الاولیاء میں بیان کیا گیا ہے کہ شیخ بدرالدینؒ کی حضرت خضرؑ سے ملاقات رہتی تھی۔ایک بار ان کے والد گرامی نے اپنے بیٹے سے کہا کہ خضرؑ کو مجھے بھی دکھا دو..............،آپؒ نے فرمایا:

''جی ٹھیک، بہتر ہے''

ایک دن آپ ذکراذکار میں مشغول تھے کہ ایک آدمی سب سے دور بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت بدرالدین نے اپنے والد گرامی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ ....'' حضرت خضرؑ یہی ہیں''۔

والدگرامی نے کہا: ''اچھا، ذکر وفکر سے فارغ ہوکر ان سے ملوں گا''۔

لیکن جب ذکر کی مجلس ختم ہوئی تو حضرؑ وہاں سے غائب ہو گئے۔آپ کا جب انتقال ہوا تو اپنے پیرومرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی قبر مبارک کے قریب مدفن کی جگہ پائی۔آپ نے جب انتقال فرمایا تو آپ کی عمر 100 برس سے کچھ اوپر تھی۔

قاضی حمید الدین ناگوریؒ

قاضی حمید الدین ناگوری ہندوستان کے تمام پرانے مشائخوں میں سے ہیں۔ آپ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے خلیفہ ہیں اور حضرت شیخ شہاب الدینؒ نے اپنے بعض رسالوں میں اشارتاً ان کا تذکرہ بھی کیا اور فرمایا ہے کہ:

''ہندوستان میں میرے کافی خلیفہ ہیں، ان میں سے ایک حمید الدین ناگوری بھی ہے''

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ شمس الدین سمرقندی کے مریدوں میں سے تھے۔ ممکن ہے کہ آپ دونوں بزرگوں کی خدمت میں گئے ہوں اور دونوں سے فیض حاصل کیا ہو۔ان کا اصل نام ''محمد بن عطا'' بیان کیا جاتا ہے۔

کتاب اخبار الاخیار میں آپ کا احوال یوں بیان ہوا ہے کہ آپ '' چھٹپن'' (جگہ کا نام) میں اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ دہلی تشریف لائے تو آپ کے والد

گرامی کا چند دن بعد انتقال ہوگیا۔ایک اعلیٰ انتظامی عہدہ پر تھے۔اس وجہ سے حاکم وقت نے ''قاضی ناگوری'' نام رکھ دیا.................. تین برس تک آپ علوم شریعہ پھیلانے اور دین اسلام کی ترویج و تبلیغ کے فرائض سر انجام دیتے رہے۔آپ امانت، دیانت اور پرہیز گاری میں رتبہ کمال تک پہنچے ہوئے تھے.................. ایک رات سرور کائناتؐ کو خواب میں دیکھا کہ اپنی طرف بلا رہے ہیں.................. صبح ہوئی تو آپ نے تمام معاملات اور ذمہ داریوں کو بالائے طاق رکھا اور تن تنہا توکل بخدا حرمین شریف اور بغداد کی طرف روانہ ہوگئے۔بغداد میں پہنچ کر شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی سے ملے اور ان کے مرید ہو گئے اور خلافت کے مرتبے تک پہنچے۔وہیں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ سے بھی ملاقات ہوئی۔پھر آپ شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی سے اجازت لے کر حرمین شریف چلے گئے۔حرمین الشریف میں ایک برس سات مہینے قیام فرمایا اور چند روز مدینہ میں بھی رہے۔وہاں کے بزرگوں سے مل کر مکہ معظمہ آئے۔تین سال تک مختلف قسم کی خدمات بجالاتے رہے اور اکثر بزرگوں سے ملاقات کا شرف بھی حاصل کیا۔

ایک دن گھومتے پھرتے ایک بزرگ کو دیکھا جو طواف کر رہے تھے۔آپ نے غیر ارادی طور پر ان کے قدم بہ قدم طواف کرنا شروع کر دیا۔ان بزرگ نے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اے حمید الدین! ظاہری پیری سے کچھ حاصل نہیں ہوگا، دل کی مطابعت چاہیے''

آپ نے پوچھا:

''یہ کیا ہے؟''

بتایا گیا کہ میں ہر ہر قدم پر ایک قرآن ختم کرتا ہوں۔آپ نے سوچا شاید یہ بات صرف معنوی طور پر کہی گئی ہے.................. لیکن آپ کے اس سوچنے پر یہ اجنبی بزرگ بولے۔

''نہیں میں حقیقتاً ہر قدم پر قرآن شریف ختم کر دیتا ہوں''

اس بات سے قاضی حمید الدین کو مزید تعجب ہوا اور یہ عقدہ آپ کے دل میں بیٹھ گیا۔ یہی عقدہ دل میں لے کر دہلی آئے اور حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے پاس رہ کر دن رات خدمت میں کوشاں رہنے لگے اور حضرت خواجہ بزرگ سے آپ نے بہت باطنی فیض پایا۔ آپ کا تعلق سلسلہ سہروردیہ سے تھا مگر حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ سے آپ کو بے پناہ انس ومحبت تھی۔

آپ کو قاضی ہونے اور علوم شریعت وطریقت میں ماہر ہونے کے باوجود ظرافت ولطافت کی طرف بہت رغبت تھی۔

ایک دن شیخ برہان الدین بلخی اور قاضی کبیر خوارزمی جو کہ زمانہ میں مشہور تھے۔ آپ کے ساتھ گھوڑوں پر سوار چلے جا رہے تھے۔ قاضی حمید الدین ایک چھوٹے سے گھوڑے پر سوار تھے جبکہ دیگر دو بزرگوں کے گھوڑے تنومند اور بڑے تھے۔ قاضی کبیر کو نہ جانے کیا سوجھی کہ انہوں نے حمید الدین ناگوری سے کہا۔

"ناگوری تمہارا گھوڑا بہت چھوٹا ہے"

آپ کے منہ سے جھٹ پٹ نکلا۔

"اگرچہ چھوٹا ہے مگر کبیر سے بہتر ہے"

یہ ذومعنی جملہ ہے۔ اس سے دو مفہوم نکلتے ہیں کہ گھوڑا چھوٹا ضرور ہے مگر قاضی کبیر کے گھوڑے سے اچھا ہے۔ دوسرا ظاہری مفہوم پہلے ہی لحہ ذہن میں آتا ہے کہ "کبیر" سے بہتر ہے۔

بہر حال آپ کے اس جواب سے سب ہنس دیئے۔

کتاب الفوائد میں ہے کہ قاضی حمید الدین کی بابا فرید الدین گنج شکر سے بہت دوستی تھی۔ ایک بار حضرت شیخ فرید الدین نے چاہا کہ راگ سنیں، مگر کوئی قوال موجود نہ تھا۔ بدرالدین اسحٰق جو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے اقرباء میں سے تھے، ان سے بابا فرید نے کہا:

"جو خط قاضی حمید الدین نے بھیجا ہے لے آؤ"

شیخ بدرالدین خطوں سے بھرا پورا تھیلا ہی اٹھا لائے اور حضرت بابا فریدؒ کے سامنے رکھ دیا۔ جوں ہی انہوں نے تھیلے میں ہاتھ ڈالا وہی قاضی حمید الدین کا مطلوبہ خط باہر نکل آیا۔

بابا فرید نے فرمایا: "پڑھو"

بدرالدین اسحٰق نے پڑھنا شروع کیا۔ خط کے آغاز پیشانی پر تحریر تھا۔

"فقیر، حقیر، ضعیف و نحیف محمد عطا جو کہ فقیروں کے غلاموں میں سے ہے اور سر و آنکھوں سمیت ان کے قدموں کی خاک ہے"۔

حضرت بابا فریدؒ نے اتنا سنا تھا کہ حال اور وجد طاری ہو گیا اور کافی دیر تک حالت وجد میں رہے۔ اس کے بعد یہ رباعی جو اس خط میں لکھی تھی، بدرالدین اسحٰق نے پڑھی۔

آن عقل کجا کہ در کمال تو رسد
وہ روح کجا کہ در جلال تو رسد
گیرم کہ تو پردہ بر گرفتی ز جمال
آن دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد

کتاب خیر المجالس میں بیان ہوا ہے کہ ایک بار بہت خشک سالی ہوئی اور بادشاہ وقت نے قاضی حمید الدین ناگوری اور دیگر فقراء کو کہلا بھیجا کہ لڑنا جھگڑنا ہمارا کام ہے، سو ہم وہ کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے دعا مانگنا آپ لوگوں کا کام ہے۔ آپ دعا کریں کہ خدا تعالیٰ بارش برسائے.............. قاضی حمید الدین ناگوری نے بادشاہ کا یہ پیغام سن کر فرمایا:

"بادشاہ سے کہو کہ ہم فقیروں کی دعوت کرے تا کہ مینہ برسے"

بادشاہ تک جب یہ بات پہنچی تو اس نے یہ سمجھا کہ قاضی حمید الدین ناگوری نے "راگ" کی درخواست کی ہے اور راگ کی کیفیت فقراء کے لیے معراج ہے۔ اس حال میں مینہ برسنے کی دعا کریں گے تو ضرور بارش برسے گی۔ چنانچہ بادشاہ نے ایک ضیافت کا اہتمام کروایا۔ سب فقراء جمع ہوئے۔ قاضی حمید الدین بھی اس ضیافت میں پہنچ گئے۔ جوں ہی قوالوں نے گانا شروع کیا، قاضی حمید الدین اور فقراء کی کیفیت بدلنے لگی اور اسی وقت

بارش شروع ہوگئی اور سوکھی زمین جل تھل ہوگئی۔

کتاب سیر الاولیاء کے مطابق حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی وفات کے بعد دس برس تک قاضی حمید الدین بقید حیات رہے اور جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو اپنے بیٹوں کو بلا کر وصیت کی کہ مجھے حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی پائنتی میں دفن کرنا، مگر آپ کے بیٹوں کی یہ مرضی نہ تھی، لیکن وصیت یہی تھی۔ناچار انہیں آپ کی وصیت پر عمل کرنا پڑا، لیکن انہوں نے آپ کی قبر کا چبوترہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار سے اونچا کر دیا۔بعد ازاں قاضی حمید الدین ناگوری نے خواب میں اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ آپ لوگوں نے میرا چبوترہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے اونچا کر کے مجھے خواجہ کے سامنے شرمندہ کر دیا ہے۔

..................حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی پائنتی اور حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری کے سرہانے درمیان میں کھڑے ہو کر میں نے بارہا نماز پڑھی ہے اور اس حالت میں مجھ پر جو کیفیت طاری ہوئی، بیان سے باہر ہے۔اس کے بعد حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے مزید فرمایا کہ یہ کیفیت جگہ پر منحصر نہیں بلکہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور قاضی حمید الدین کی برکت ہے، جو دونوں پہلوؤں میں آرام کرتے ہیں۔حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کے فرمان کے مطابق پچیس رمضان المبارک 663 ہجری میں قاضی حمید الدین ناگوری نے وفات پائی۔

شیخ علی سنجریؒ

حضرت شیخ علی سنجریؒ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے خاندان میں سے ہیں۔آپؒ سلطان شمس الدین التمش کے زمانے میں گزرے ہیں۔آپ کا مزار منارہ کے نیچے ہے اور بہت بڑا مقبرہ ہے۔آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے نہایت فرمانبردار مریدوں میں سے تھے۔سلطان شمس الدین التمش اور سلطان علاؤالدین کا مقبرہ

بھی اسی قرب و جوار میں واقع ہے۔شیخ علی سجزیؒ کے بارے میں ملفوظات پیران چشت میں جا بجا روائتیں موجود ہیں۔دیلی العارفین میں ہے کہ جس شخص کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ خلیفہ بناتے تو خلافت کا فرمان شیخ علی سجزیؒ سے لکھواتے تھے، جو اپنے دستخطوں سے یہ فرمان جاری کرتے تھے۔اگر بھولے سے اپنے دستخط اس پر ثبت نہ کرتے تو خواجہ بزرگ اس فرمان کو منظور نہ کرتے تھے۔بعض رسالوں میں یوں بھی تحریر ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور شیخ علی سجزیؒ میں گہری دوستی تھی۔

حضرت خواجہ سید اطہرؒ (صاحبزادے)

حضرت خواجہ اطہرؒ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔آپؒ کے خادمین آپ کو خواجہ اطہر "تماچی" لکھتے ہیں۔"تماچی" کی وجہ تسمیہ کسی کتاب سے معلوم نہیں ہو پائی۔کتاب فوائد الفوائد اور پیران چشت کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ہاں دو جڑواں لڑکے پیدا ہوئے تھے۔ایک کا نام "خواجہ احمد" اور دوسرے کا نام "خواجہ محمد" تھا۔خواجہ محمد کا اپنے والد گرامی کی حیات میں ہی سات برس کی عمر میں انتقال ہو گیا تھا اور خواجہ احمد کی عمر کامل ہوئی۔بہت سے بال بچے ان سے پیدا ہوئے ان کے فرزندوں میں سے بہت سے حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ کے وقت تک زندہ رہے اور آپ سے ملاقات کی سعادت حاصل کرتے رہے۔جب حضرت خواجہ احمد کا انتقال ہوا تو اپنے والد گرامی کے پہلو میں دفن ہوئے۔حضرت خواجہ احمد کے دو فرزند "حضرت خوجو" اور "سید کبیر" بھی اپنے

والد ماجد خواجہ احمد کے روضہ کے صحن میں دفن ہیں۔

حضرت خواجہ الستؒ

حضرت خواجہ الست کا مفصل احوال سید محمد بولاقؒ نے اپنی کتاب میں درج نہیں کیا ہے۔ مختصراً یوں تذکرہ ہے کہ کتاب ''کلمات الصادقین'' کے مطابق جب شروع میں دہلی کو فتح کیا گیا اور جو مسلمان معزالدین محمد سام کے ساتھ اس شہر میں آکر آباد ہوئے تو حضرت خواجہ الست بھی یہاں کے بزرگوں کی معیت میں شامل ہو گئے۔ آپ کی قبر شمال کی جانب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے روضہ کے اوپر کی طرف ہے۔ اخبار الاخیار کی تحریروں کے مطابق آپؒ کا مزار حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے روضہ کے بننے سے پہلے تعمیر ہوا ہے۔ آپ کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کا میلان سلاسل طریقت کے سلسلہ سہروردیہ سے زیادہ تھا اور آپ اس سلسلہ کی تعلیمات میں زیادہ مشغول رہتے تھے۔

(آپ کی زندگی کا مختصراً احوال پیدائش اصل جائے وطن، تعلیم و تربیت کا کوئی ذکر کتاب روضۃ الاقطاب کے اصل متن میں نہیں ہے)(مرتب کنندہ)

حضرت بابا حاجی روزبہ

بابا حاجی روزبہ دہلی کے پہلے بزرگوں میں سے ہیں۔ آپ کا تعلق سلسلہ اویسہ سے تھا۔ آپ اس وقت دہلی آئے جب یہاں راجہ ''رائے پتھورا'' کی حکمرانی تھی۔ آپ نے قلعہ کی خندق کو بھی اپنا مسکن بنایا تھا۔ آپ بڑی پرتاثیر شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کی ذات کے فیض سے بہت سے غیر مسلم کفر و شرک سے تائب ہو کر مسلمان ہوئے۔ دہلی کا ایک مشہور مقام ''پرانے غار'' کے نام سے موسوم ہے۔ اس غار کے قریب آپؒ کی قبر ہے۔

پرانے قلعہ کی خندق کے قریب جس جگہ کو آپ نے اپنا مسکن بنایا تھا، وہیں آپ مدفون ہیں۔

حضرت سید نورالدین مبارک غزنوی

اخبار الاخیار کے مطابق سید نورالدین مبارک شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ ہیں اور آپ سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں دہلی آئے۔ آپ کو امیر دہلی بھی کہا جاتا ہے۔ بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ آپ عبدالواحد بن شہاب الدین احمد غزنوی کے مریدں میں سے ہیں۔ آپ کا چہرہ خدائے برتر کا آئینہ تھا۔ آپ بہت بڑے عارف تھے۔ آپ نے "شیخ محمد اجل" سے بھی بہت فیض پایا ہے۔ ایک بار کسی مرید نے شیخ محمد اجل کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میرے ہاں لڑکے کی پیدائش ہوئی ہے، بندہ آپ کا غلام ہے، کچھ عطا فرمایئے۔
شیخ محمد اجل نے فرمایا:

"بہتر ہے............کل جب میں نماز فجر سے فارغ ہوا تو اپنے نومولود کو لا کر میرے سامنے رکھنا۔ سید نورالدین مبارک کے والد گرامی بھی اس مجلس میں حاضر تھے اور یہ گفتگو سن رہے تھے اور دل میں سوچا کہ میں بھی اپنے لڑکے کو صبح لا کر آپ کے سامنے رکھوں گا، کیونکہ اس دن سید مبارک کی بھی پیدائش ہوئی تھی۔ جب صبح ہوئی تو سید مبارک کے والد گرامی بہت جلد بیدار ہو گئے اور نومولود مبارک غزنوی کو اٹھا کر شیخ کے پاس لے گئے اور سید مبارک کو شیخ محمد اجل کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت شیخ نے نومولود سید نورالدین مبارک حیدر پر نظر ڈال کر نعمت باطنی عطا کر دی۔ بعد ازاں جب دوسرا شخص اپنے بچے کو لے کر آیا تو شیخ نے فرمایا کہ یہ نعمت سید زادہ کو مل گئی ہے۔ جب آپ بالغ ہوئے تو شیخ شہاب الدین کی خدمت میں حاضر رہنے لگے اور خلافت پائی۔ دہلی میں آ کر رہائش اختیار کی اور شیخ الاسلام کے منصب تک پہنچے۔ آپ کا مقبرہ حوض شمسی کے مشرق کی طرف واقع ہے اور مشہور زیارت گاہ ہے۔ کتاب الفوائد میں آپ کی وفات کے بارے میں یہ واقعہ تحریر

ہے:

سید نورالدین مبارک غزنوی ہر جمعرات کو ذکر کیا کرتے تھے۔ایک دن مولانا علاؤالدین کرمانی بھی آپ کے ساتھ ذکر میں شامل تھے۔ جب سید نورالدین مبارک غزنویؒ نے ذکر مکمل کیا تو فرمایا:

’’عزیزو.................آئندہ جمعرات کو میں اس جہان سے انتقال کر جاؤں گا۔ اس ہفتہ تمہارا مہمان ہوں‘‘۔

مولانا علاؤالدین نے بھی لوگوں کو یہی بات بتائی کہ اگلی جمعرات کو سید انتقال کر جائیں گے۔چنانچہ آئندہ جمعرات کو آپ انتقال کر گئے۔

حضرت شیخ سعد و قاضی عماد

یہ دونوں صاحبان علوم شریعت کے عالم تھے۔جن کا تذکرہ قبل ازیں پچھلے باب میں کیا جا چکا ہے۔ان لوگوں کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے سماع پر اعتراض رہتا تھا اور یہ لوگ خلاف شرع امور کو روکنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔سلطان التمش کے دور میں یہ قاضی اور مفتی کے انتظامی عہدوں پر تعینات رہ چکے تھے۔رسم سماع کے خلاف تھے۔اس وجہ سے یہ لوگ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ہاں منعقد ہونے والی محفل سماع کو بند کروانے اور رکوانے کا ارادہ سے گئے تو حلقہ سماع میں پہنچ کر خود ہی بے خود ہو گئے۔ان پر محفل سماع کا ایسا رنگ چڑھا اور شریعت کے تقاضوں کو ایسے بھولے کہ دنیا و مافیہا سے ہی بیگانہ ہو گئے۔بعد ازاں اپنے عزائم سے تائب ہو کر حضرت خواجہ قطب الدین

بختیار کاکیؒ کے مریدوں میں شامل ہو گئے۔ان دونوں کی قبریں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار مبارک کے پہلو میں واقع ہیں۔

حضرت مولانا امجد الدین حاجی حاجرنیؒ

مولانا امجد الدین حاجی حضرت شیخ شہاب الدین کے مرید خاص ہیں۔بارہ حج کرنے کے بعد دہلی میں آئے تو سلطان شمس الدین نے اپنے شہر کی صدارت آپ کو سونپ دی۔آپ کا ذہنی میلان دنیاداری کی طرف راغب نہ تھا،اس لیے منصب صدارت کا فریضہ بادشاہ کی ایماء پر طوعاً کرہاً دو برس تک انجام دیا۔

آپ ہمیشہ استغفار پڑھتے رہتے تھے۔دو سال کے بعد آپ منصب خلافت سے الگ ہو گئے .... ''کتاب کلمات الصادقین'' کے مطابق آپ شروع میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور شیخ حمید الدین ناگوری کے ساتھ سماع سننے سے اتحاد واتفاق نہ تھا،لیکن حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی ذات کی برکت سے آپ کا یہ انکار اقرار میں بدل گیا اور فقر کی نعمت پائی۔آپ کو انتقال کے بعد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مقبرہ کے پاس مشرق کی طرف کچھ فاصلے پر دفن کیا گیا۔آپ کی تاریخ وفات کسی نے نہیں لکھی۔مصنف کتاب کلمات الصادقین کا قیاس ہے کہ ذوی الحجہ کی بارہویں تاریخ کو آپ نے وفات پائی،................لیکن ذی الحجہ کی پہلی تاریخ سے آپ کے مزار پر لوگوں کا ہجوم رہتا ہے جسے ''ملا امجد الدین'' کا ''ختم'' کہا جاتا ہے۔

حضرت شیخ نظام الدین ابوالموید

شیخ نظام الدین ابوالموید حضرت شمس العارفین کے پوتے اور مشہور مریدوں میں سے ہیں۔

آپ سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ہمعصر تھے۔اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں رہ کر فضائل حاصل کر کے مرید کرنے کی اجازت لی اور شیخ الواحد بن شیخ احمد غزنوی کی خدمت میں حاضر رہ کر بہت فیض اٹھایا.................
حضرت شیخ نظام الدین اولیاء نے بھی ان کو دیکھا ہے۔

کتاب الفوائد کا مصنف لکھتا ہے کہ ایک بار دہلی میں بہت خشک سالی ہوئی، غلہ کمیاب پڑ گیا۔مخلوق خدا نے آپ کے پاس حاضر ہو کر مینہ برسنے کے لیے دعا کرنے کی استدعا کی۔آپ نے اجازت لے کر منبر پر قدم رکھا اور اپنی آستین میں دامن کے کپڑے کا ٹکڑا نکالا اور آسمان کی طرف نگاہیں بلند کر کے فرمایا:

''اے الٰہی! اس حرمت اور راز کے طفیل جو میرے اور تیرے درمیان ہے، آسمان سے مینہ برسا، تیری مخلوق پریشان ہے.................اگر میری اس دعا میں تاثیر نہیں تو میں جنگل کی طرف نکل جاتا ہوں اور پھر آبادی میں نہیں آؤں گا۔کیونکہ مجھ جیسے پر تقصیر کے لیے پھر آبادی میں رہنا مناسب نہیں ہے''۔

آپ کی یہ دعا ختم ہوئی تو اسی وقت ایک گھٹا اٹھی اور مینہ برسنا شروع ہو گیا۔اس قدر شدید بارش ہوئی کہ ہر کھیتی کوچہ بازار پانی سے بھر گئے۔بعد میں لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے اپنی آستین میں سے کس کے کپڑوں کا دامن نکال کر خدا کے حضور دعا فرمائی تھی؟

آپ نے فرمایا:

''یہ میری ماں کے کپڑوں کا دامن ہے''

یہ دامن حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے خصوصی طور پر آپ کو دیا تھا۔آپ کی والدہ ماجدہ اس کو بوقت عبادت اپنے سر پر ڈال لیتی تھیں۔حضرت شیخ نظام الدین ابوالموید کی والدہ ماجدہ کا نام ''بی بی سارہ'' تھا، جن کی قبر پرانی عیدگاہ کے پہلو میں ہے۔اس کے قریب ہی حضرت نظام الدین ابوالموید کی قبر بھی ہے۔شیخ نظام الدین کولوی جن کی قبر ''کول'' میں ہے، آپ کی اولاد میں سے ہیں۔

حضرت شیخ معز الدین دہلوی و شیخ برہان الدین محمود بن ابی الخیر اسعد البلخی

حضرت شیخ معز الدین کا تعلق ایک بادشاہ سے تھا اور آپ کو اس بادشاہ کی نیابت حاصل تھی، لیکن آپ کا دل ان معاملات کو قبول نہ کرتا تھا۔ چنانچہ زہد و پرہیز گاری کی توفیق خداوند کریم نے انہیں عطا کی اور آپ فقر و فاقہ کے راستہ پر قدم رکھ کر حضرت خواجہ قطب الدین کے مرید ہو گئے۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے آپ کو فقر میں کامل کیا اور منزل مقصود تک پہنچایا۔ آپ کا مدفن خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے روضہ مبارک کے پاس ہے۔ شیخ برہان الدین محمود بن ابن الخیر اسعد البلخی سلطان غیاث الدین بلبن کے دور کے بزرگوں میں سے ہیں۔ ان کو وجد و سماع کا از حد شوق تھا۔ علم شریعت و طریقت دونوں سے رغبت تھی۔ شاعری سے بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ بعض درویشانہ اشعار آپ سے منسوب ہیں۔ مثلاً:

گر کرم عام شد رفت زبر سان عذاب
در بعمل حکم شد وگہ چہاوید نیست

کتاب اخبار الاخیار میں ان کے بارے میں یوں تذکرہ ہے:

''جب میں چھوٹا سا تھا، تقریباً سات برس کی عمر ہو گی کہ ایک بار اپنے والد گرامی کے ہمراہ جا رہا تھا کہ مولانا برہان الدین صاحب الہدایہ کی سواری نظر آئی۔ ان کو دیکھ کر والد گرامی راستہ سے الگ ہو گئے مگر میں سامنے کھڑا رہا۔ جب سواری قریب آئی تو میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ مجھے دیکھ کر وہ بولے:

''خدا تعالیٰ مجھ سے فرماتا ہے کہ یہ لڑکا اپنے وقت کا جید عالم ہو گا اور تمام عالم کو

راہ راست دکھائے گا"۔

میں نے ان کی زبان سے جب یہ کلمات سنے تو خوشی سے ان کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیا۔آپ نے دوبارہ فرمایا:

"مجھ سے خداوند کریم یہ کہلواتا ہے کہ یہ بچہ ایسا ہوگا کہ بادشاہ اس کے دروازہ پر داخل ہونے کی جرات نہ کر پائیں گے"

شیخ برہان الدین محمود بن ابی الخیر نے بارہا یہ بات کہی ہے کہ خدا مجھ سے گناہوں کا مواخذہ نہ کرے گا بلکہ خدا مجھ سے چند اشعار پوچھے گا اور ان کے عوض مجھے بخش دے گا۔

آپ کی قبر حوض شمسی کے مشرق کی طرف "چہل تن" کی قبروں کے پاس جس کو "تختہ نور" بھی کہتے ہیں واقع ہے۔آپ کے مزار کی مٹی لوگ بطور تبرک لے جاتے ہیں اور مقامی لوگ وہ مٹی اپنے بچوں کو کھلاتے ہیں تا کہ علم و فضل میں کشادگی و وسعت ہو۔اس وجہ سے آپ کی قبر پائنتی کی جانب سے ٹوٹی ہوئی رہتی ہے اور اکثر و بیشتر اس کی مرمت کی جاتی ہے۔

حضرت شیخ نجیب الدین متوکل

حضرت شیخ نجیب الدین متوکل حضرت فرید الدین گنج شکر کے حقیقی بھائی اور خلیفہ ہیں۔آپ نے دنیاوی زندگی میں سخت مصائب اور مشکلات جھیلی ہیں۔آپ کثیر الاعیال تھے مگر آپ کا توکل الٰہی انتہا درجہ بڑھا ہوا تھا۔آپ نے بہت مشقیں، ریاضتیں اور مجاہدے کیے ہیں۔حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ نجیب الدین ستر برس تک شہر میں رہے۔اتنے فرزندوں اور کثیر الاعیال ہونے کے باوجود آپ کے پاس کوئی جائیداد شہر اور گاؤں میں نہ تھی۔آپ اپنی تنگ دستی پر ہمیشہ صابر و شاکر رہے اور خندہ پیشانی سے زندگی بسر کی۔میں نے کوئی شخص اپنے اشغال و اعمال میں استقامت رکھنے والا اور زمانے سے بے فکر نہیں دیکھا۔آپ کو یہ خبر بھی نہ ہوتی تھی کہ آج کون سا دن اور مہینہ ہے۔ایک بار

ایک فقیر نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا۔

''نجیب الدین متوکل آپ ہی ہیں؟''

آپ نے جواب دیا۔

''میں خود پوچھتا ہوں کہ ''متوکل'' کون ہوتا ہے''۔

پھر اس جواب پر فقیر نے دوبارہ آپ سے استفسار کیا۔

''شیخ فرید الدین گنج شکر کے بھائی آپ ہیں؟''

آپ نے فرمایا:

''ظاہری بھائی تو میں ہی ہوں۔ باطنی بھائی کی خبر نہیں کہ کون ہوگا؟''

کتاب سیر الاولیاء میں تذکرہ ہے کہ عید کا دن تھا اور عزیز و قرابت دار آپ کے گھر بطور مہمان آئے، لیکن آپ کے گھر کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ اہل خانہ فاقہ سے تھے۔ اس حالت کی وجہ سے آپ کے دل میں رنج و دکھ پیدا ہوا کہ عید کے دن مخلوق خدا رنگ رنگ کی نعمتیں کھاتی ہے اور میری یہ حالت ہے کہ میرے بچوں کے کھانے کے لیے ایک لقمہ بھی نہیں ہے اور عید کے موقع پر آنے جانے والے میرے دروازے سے محروم جارہے ہیں۔ یہ دکھ جب آپ کے دل میں پیدا ہوا تو مکان کی چھت پر جا کر مشغولِ دعا ہوگئے۔ دوران دعا آپ نے دیکھا کہ ایک فقیر کھانا لیے آپ کے پاس چھت پر کھڑا ہے اور یہ شعر پڑھ رہا ہے۔

با دل گفتم ولا خضر را بینی

دل گفت اگر تمامی را بینم

وہ شخص کھانا آپ کے پاس لایا اور بولا۔

'' آج تیرے ''توکل'' کا ڈنکا عرش و فرش پر فرشتوں میں بج رہا ہے اور تو یہ دعا کر رہا ہے کہ میں اپنے واسطے کچھ نہیں مانگتا عید کے موقع پر اپنے گھر آنے والے مہمانوں کے لیے کچھ مانگ رہا ہوں''۔

وہ شخص آپ کو کھانا دے کر غائب ہوگیا۔ شاید وہ غیبی شخص حضرت خواجہ خضرؑ تھے

.................احمد اور محمد نام کے آپ کے دو فرزند تھے، جو آپ کی قبر کے پاس ہی مدفون

ہیں۔آپ کے فرزند ''محمد'' توکل میں بہت بڑھ کر تھے۔حضرت نجیب الدین متوکل جب دہلی پہنچے تو ان کا انتقال ہوگیا۔آپ کا روضہ مبارک حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی درگاہ کے راستہ میں بی بی زلیخا اور حضرت سلطان المشائخ نظام الدین الاولیاء کی والدہ '' بی بی نور'' اور ''بی بی حور'' کے مقبرہ کے پاس ہے، جو زیارت گاہ عام وخاص ہے۔

آپ کا عرس مبارک ماہ رمضان کی 9 تاریخ کو ہوتا ہے۔اب تک توکل ومحبت اور ترکِ دنیا وتجرید کے آثار آپ کے مزار سے ہویدا ہیں۔طالب کو چاہیے کہ آپ کے مزار کی زیارت کرے۔میں نے تو بار ہا ان کے مزار سے فیض اٹھایا ہے۔(سید محمد بولاقؒ نے)

حضرت شیخ ضیاءالدین رومیؒ

حضرت شیخ ضیاءالدین رومیؒ نے شیخ شہاب الدین سہروردی سے خلافت حاصل کی۔آپ علم وعمل اور پرہیز گاری کے زیور سے آراستہ تھے۔آپ بڑی مدلل شخصیت کے مالک تھے۔سلطان قطب الدین ایبک آپ ہی کا مرید تھا اور آپ سے نہایت عقیدت رکھتا تھا۔

کتاب اخبار الاخیار کے مطابق حضرت شیخ نظام الدین اولیاء ان کے انتقال کے تیسرے دن جب تعزیت کے لیے گئے تو اس موقع پر سلطان قطب الدین ایبک بھی موجود تھا، جس نے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی تعظیم نہ کی اور بہت سر دھری کا رویہ

اختیار کیا حتیٰ کہ حضرت شیخ نظام الدین کے سلام کا جواب تک نہ دیا۔اس گستاخی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تباہیوں نے سلطان کو جکڑ لیا اور بڑے برے حال میں مارا گیا۔سلطان المشائخ حضرت نظام الدینؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے شیخ ضیاءالدین رومیؒ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرا ایک دوست سماع کو حد درجہ عزیز رکھتا تھا۔بعد از وفات اس کو جنت کے ایک اعلیٰ مقام میں دیکھا مگر وہاں بھی وہ مغموم حالت تھا۔میں نے پوچھا کہ یہاں کیوں غمگین ہے؟ تو جواب دیا کہ یہاں سب کچھ میرے لیے ہے،لیکن سماع میں جو لطف و کیفیت تھی،وہ میسر نہیں۔شیخ ضیاءالدین رومی کی قبر حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کی درگاہ کے راستے میں شیخ نجیب الدین متوکل کے مقبرہ کے پاس ہے۔آپ کا انتقال قطب الدین ایبک کے زمانہ میں 6 ذوالحجہ کو ہوا۔

حضرت خواجہ محمود موئنہ دوز خجندیؒ

حضرت خواجہ محمود حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کے مرید تھے اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے بھی آپ کو بہت اعتقاد تھا اور کبھی کبھی قطب الاقطاب کی صحبت میں بھی رہتے تھے۔پیران چشت کے ملفوظات میں آپ کا بہت تذکرہ ہے۔آپ کا مقبرہ حضرت خواجہ قطب الدینؒ کے مقبرہ کے پاس ہے۔درگاہ کے دروازہ کے باہر حوض شمسی کے پہلو میں آپ کا مقبرہ واقع ہے اور جب کسی شخص کو کوئی مشکل و مصیبت پیش آتی ہے،تو وہ آپ کے مزار پر آتا ہے اور مزار سے ایک پتھر اٹھا کر الگ کنارے پر رکھ دیتا ہے اور دل میں منت مانتا ہے کہ جب اس کی مشکل و مصیبت رفع ہوگئی تو اس پتھر کے وزن کے

برابر شکر لاکر آپ کے ایصال ثواب کے لیے فاتحہ کرے گا اور شکر بانٹے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس طرح بہت لوگوں کی حاجتیں آپ کے مزار سے پوری ہوتی ہیں۔

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ جب کسی شخص کا کوئی غلام بھاگ جاتا تھا، تو وہ شخص حضرت خواجہ محمود کے پاس آ کر احوال بیان کرتا تھا، تو آپ فرماتے تھے۔

''جا!۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تیرا غلام فلاں روز تیرے پاس پہنچ جائے گا اور اس کے آجانے کی اطلاع کر دینا کہ میرے دل سے بوجھ جاتا رہے''۔

حسب ارشاد لوگ عمل کرتے تھے اور غلام واپس آجاتے تھے۔ ایک دن ایک آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے گم شدہ غلام کی دستیابی کی استدعا کی تو آپ نے فرمایا''

''جا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!تیرا غلام تیرے گھر پہنچ چکا ہے''

وہ شخص اسی وقت اپنے گھر گیا تو دیکھا کہ اس کا غلام گھر میں موجود ہے، لیکن اس شخص نے غلام کے واپس آجانے کی اطلاع آپ کو نہ دی تو دو تین دن بعد غلام پھر روپوش ہوگیا۔ وہ شخص پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن آپ نے فرمایا۔

''اب کی بار تیرا غلام واپس نہیں آئے گا۔ کیونکہ تو نے اس کے واپس آنے کی اطلاع مجھے نہیں دی''۔

حضرت شیخ فرید الدین ناگوریؒ

حضرت شیخ فرید الدین ناگوریؒ المعروف ''چاک پران'' حمید الدین صوفی کے پوتے ہیں اور اپنے ہی جد بزرگوار کے مرید، خلیفہ و سجادہ نشین ہیں اور ان کی تربیت میں ہی پرورش پائی۔ سلطان التارکین بڑے معروف بزرگوں اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے خلفاء میں سے تھے۔ تحریر و تقریر میں کمال درجہ کی مہارت رکھتے تھے۔ آپ کے دو بیٹے

تھے۔بڑے بیٹے کا نام شیخ عبدالعزیز تھا اور چھوٹے بیٹے کا نام "محبت" تھا.....................۔

حضرت فرید الدین ناگوری شیخ حمید الدین کے بڑے پسر کے بیٹے ہیں اور کتاب "سرور الصدور" جو شیخ حمید الدین کے ملفوظات پر مشتمل ہے، آپ نے ہی جمع کر کے ترتیب دی ہے۔آپ سلطان محمد تغلق کے دور حکومت میں "ناگور" سے آ کر دہلی میں بسے اور دہلی میں ہی آپ نے انتقال فرمایا۔آپ کا مقبرہ پرانے شہر کے درمیان میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی درگاہ کے راستہ میں "چمنڈال" کے جنوب کی طرف واقع ہے۔جہاں آپ کی نشست گاہ تھی، وہیں آپ کو دفن کیا گیا۔آپ کی عمر تقریباً 100 برس بتائی جاتی ہے۔آپ کے سات بیٹے تھے۔آپ کے بڑے بیٹے کا نام "شیخ عبدالعزیز" تھا، جو بڑے صاحب ذوق وشوق اور فضائل ظاہری وباطنی میں دسترس رکھتے تھے۔انہوں نے جوانی کی عمر میں سماع کے دوران جذبات کے جوش کی وجہ سے انتقال فرمایا .... بیان کیا جاتا ہے کہ "لیلۃ الرغائب" میں کہ کسی فقیر کے ہاں محفل سماع

برپا تھی، قوالوں نے یہ شعر گانا شروع کیا۔

جان بدہ و جان بدہ و جان بدہ
فائدہ از گفتن بسیار چیست

یہ شعر سن کر آپ نے ایک بلند آہ کی اور انتقال فرما گئے۔آپ کے نسب کا سلسلہ حضرت سعید بن زیدؓ سے جا ملتا ہے، جو عشرہ مبشرہ کے صحابہ کبار میں شمار ہوتے ہیں۔

کتاب اخبار الاخیار میں تحریر ہے کہ ایک سنگ خراس (پتھر) آپ اپنے گلے میں رکھتے تھے۔اسی حالت میں ناگور سے دہلی آئے اور "چاک پران" کا خطاب پایا۔

حضرت وائی ہمبلؒ

آپ ''اوش'' کے شرفاء کی اولاد تھیں اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی دایہ ہیں ۔ہمیشہ عبادت وریاضت میں محو رہتی تھیں ۔آپ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے والدین کے پڑوس میں رہتی تھی اور حضرت خواجہ کی والدہ محترمہ سے ان کو بہت اخلاص وانس تھا۔جب ''اوش'' میں حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کی پیدائش ہوئی تو دایہ ہمبل نے اپنا دودھ پلا کر آپ کی پرورش کی ۔جب حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ جوان ہوئے اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے خرقۂ خلافت پا کر دہلی کی ولایت پر سرفراز ہوئے تو آپ نے دائی ہمبل کو ''اوش'' سے اپنے ہاں بلالیا اوران کے جملہ حقوق کی پاسداری کی ۔اپنا گھر بی بی ہمبل کے اختیار میں دے دیا اور آپ نے کبھی ان کا اطاعت سے روگردانی نہیں کی۔حضرت بی بی ہمبلؒ کا مزار پرانی عید گاہ کے بالمقابل حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے روضہ کے شرقی دروازہ سے متصل واقع ہے۔

حضرت شیخ امام الدینؒ ابدال

آپؒ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرید تھے اور شیخ بدرالدین غزنوی کے خلیفہ ہیں ۔کتاب ''کلمات الصادقین'' کے مطابق آپ شیخ ضیاءالدین (مرد غیب) کے بھانجے ہیں ۔آپ کا اصل وطن ''اوش'' ہے۔حضرت شیخ امام الدین ابدال نے اکثر بہت باکمال اور صاحب نعمت درویشوں سے ملاقاتیں کی ہیں اوران سے بہت فیض حاصل کیا ہے ۔آپ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر کے ہم صحبت بھی رہے اور آپ کی پر عظمت شخصیت سے ظاہر وباطنی فضائل سمیٹے ۔آپ ہمیشہ ابدالوں کے ساتھ سیر و معائنہ

کرتے تھے، جس پر ایک باطنی نگاہ ڈالتے اس کی حالت میں تغیر واقع ہو جاتا تھا۔ آپ اپنی آخری عمر میں حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ اور دایہ ہمبل کی محبت میں دہلی تشریف لائے۔ آپ نے دہلی پہنچ کر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے مرید ہونے کی استدعا کی، لیکن حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے فرمایا:

..................''آپ کا باطنی حصہ بدرالدین کے پاس ہے ان کے مرید ہو جاؤ۔

چنانچہ آپ حضرت شیخ بدرالدین کے مرید ہو گئے۔ جنہوں نے آپ کو سیر وسلوک کی اعلیٰ منازل تک پہنچایا اور اپنا خلیفہ وسجادہ نشین بنادیا۔ آپ سلطان المشائخ سے کمال درجہ محبت رکھتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ جب سماع سنا کرتے تھے تو آپ کو بھی اپنے گھر بلا لیتے تھے۔ آپ کو بھی سماع کا بہت شوق تھا۔ آپ سماع کے دوران عاشقانہ وجد میں آجاتے تھے۔ آپ نے مدینہ منورہ کی زیارت بھی کی تھی اور آپ حاجی تھے۔ آپ کی وفات 717ہجری میں ہوئی اور آپ کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار کی پائنتی اور اپنے مرشد کے مزار کے پاس دفن کیا گیا۔

حضرت شیخ احمد رئیسؒ

شیخ احمد رئیس شیخ امام الدین ابدال کے چھوٹے بھائی ہیں۔ آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرید اور خادم خاص تھے۔ ہر وقت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے پاس رہتے تھے اور مختلف قسم کی خدمات بجالاتے تھے۔ آپ اس درجہ پر پہنچے ہوئے تھے کہ ہر شب رسول کریمؐ کی زیارت کی سعادت حاصل کرتے تھے

....

ایک رات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ سے فرمایا:

''قطب الدین سے ہمارا سلام کہنا اور بتانا کہ جو تحفہ تم ہر شب بھیجا کرتے تھے، تین دنوں سے نہیں بھیجا آخر ایسی غفلت کیوں برت رہے ہو''؟

صبح ہوئی تو آپ نے یہ تمام ماجرا حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے سامنے بیان کیا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے انہی دنوں شادی کی تھی، جس کی بناء پر ان سے یہ غفلت سرزد ہوئی۔ چنانچہ حضورؐ کا یہ ارشاد پاک سن کر درود شریف پڑھنا شروع کر دیا اور پھر ناغہ نہ ہونے دیا۔ حضرت شیخ احمد رئیس بہت متقی آدمی تھے۔ جن کو اپنے اعمال پر بھرپور استقامت حاصل تھی۔ جب وفات پائی تو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے روضہ کے قریب اپنے بڑے بھائی حضرت شیخ امام الدین کی قبر کے پاس دفن ہوئے۔

حضرت شیخ شہاب الدین عاشقؒ

حضرت شیخ شہاب الدین عاشق حضرت شیخ امام الدین ابدال کے بیٹے، خلیفہ اور مرید ہیں۔ آپ کا شمار اپنے وقت کے نہایت بزرگ عالموں میں ہوتا تھا۔ کتاب ''کلمات الصادقین'' کے مطابق آپ نے حضرت شیخ بدرالدین سے بھی فیض باطنی حاصل کیا ہے۔ آپ جمال پسند تھے۔ مجازی وحقیقی عشق سے آپ نے سلوک کی منازل طے کیں اور اعلیٰ درجہ پر پہنچ گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن اپنے والد گرامی حضرت شیخ امام الدین

ابدال کے عرس کی مجلس منعقد کی اور اہل مجلس کے لیے گوشت روٹی پکوائی۔ بہت زیادہ خلقت جمع ہوگئی۔خادم نے آپ کے پاس آکر شکایت کی کہ کثیر خلقت کی وجہ سے طعام قلیل پڑ گیا ہے۔آپ نے فرمایا:

''میرے حصے کی روٹی سے تمام روٹیاں ڈھانک دواور دیگ پر ''سرپوش'' رکھدو اور پھر بغیر دیکھے ''بسم اللہ'' پڑھ کر روٹی تقسیم کرنا شروع کردو۔انشاءاللہ اس میں برکت پڑ جائے گی اور کھانا کم نہیں پڑے گا''

خادم نے آپ کے حسب ارشاد عمل کیا اور جب سب خلقت میں روٹی تقسیم کر دی تو دیکھا کہ جتنا کھانا پکایا گیا تھا،اب بھی اتنا ہی موجود ہے۔

آپ کا مزار پرانی عیدگاہ کے قریب ایک چھوٹے سے برج کے شمال میں واقع ہے۔آپ کے مزار کی چاردیواری اب تک موجود ہے۔آپ کے مزار کے قرب وجوارح میں بہت سے بزرگوں کی قبریں ہیں۔شیخ شمس الدین کی قبر بھی ان کی قبر کے قریب پرانی مسجد کے پیچھے واقع ہے۔

حضرت شیخ حسن واناؒ

آپ قاضی زادے تھے۔آپ کے والد گرامی حکومت وقت میں قاضی تھے۔ جب آپ کے والد گرامی نے وفات پائی اور بادشاہ وقت نے قضات کا عہدہ آپ کو سونپنا چاہاتو آپ نے یہ عہدہ لینے سے انکار کردیا .... مطلق العنان بادشاہوں کی پیشکش کو ٹھکرانا آسان نہیں ہوتا ۔آدمی بادشاہ کے عتاب کا بھی شکار ہوسکتا ہے۔بادشاہ جو جی چاہے سلوک کرسکتا ہے۔کیونکہ مطلق العنانیت اسے اپنی منشاء کاکلی اختیار دے دیتی

ہے۔حضرت شیخ حسن دانا کو جب بادشاہ وقت نے سرکاری عہدے کی پیشکش کی تو آپ نے اپنے آپ کو کسی کے ذریعہ سے ''دیوانہ'' باور کروادیا۔اس طرح قاضی کا عہدہ لینے سے بچ گئے۔کچھ عرصہ بعد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے فرمایا کہ حضرت شیخ حسن دانا ''دیوانہ'' نہیں ہیں بلکہ بہت دانا ہیں اور اپنے آپ کو دیوانہ ظاہر کر کے سرکاری عہدے کی قبولیت سے اجتناب کیا ہے۔تو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو آپ سے اُنس ہو گیا اور حضرت شیخ حسن دانا ،حضرت قطب الاقطاب سے مل کر ان کے مصاحب خاص اور مقربوں میں شامل ہو گئے.................

حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے دوست واحباب اس منزل ومرتبہ کے تھے۔جب آپ کا انتقال ہوا تو آپ کو ''حضرت شیخ اللہ دیا'' کی قبر کے پاس حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے روضہ کی مسجد کی دیوار کے نیچے دفن کیا گیا۔

حضرت شیخ اللہ دیاؒ

حضرت شیخ اللہ دیا ایک عارف وزاہد شخص تھے۔آپ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے مریدوں میں سے تھے۔پیر کے دن اپنے سر پر کھانڈ اٹھا کر حضرت خواجہ قطب الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور یہ کھانڈ حضرت خواجہ کے خادموں میں بانٹ دیتے۔

ایک بار کسی ناگہانی تہمت میں گرفتار ہو کر کوتوال کے ہتھے چڑھ گئے اور کوتوال

نے انہیں قید کردیا۔ جب پیر کی رات پڑی اور حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی قدم بوسی کا شوق بڑھا تو اسی رات قید خانہ کی دیوار بغیر کسی وجہ کے ٹوٹ کر گر پڑی اور آپ کا طوق و زنجیر بھی کھل گئی۔ آپ نے قید خانہ سے نکل کر زر نقد سے شکر خریدی اور رسم دیرینہ کے مطابق کھانڈ لے کر حضرت خواجہ کے روضہ پر آئے اور خدام میں یہ کھانڈ بانٹ دی .... جب کوتوال کو ان واقعات کا علم ہوا تو وہ سخت نادم ہوا .... آخر الامر جب آپ کا انتقال ہوا تو آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے روضہ کی مسجد کے نیچے دفن ہوئے۔

حضرت خواجہ حسن خیاط و شیخ نجیب الدین فردوسی

حضرت خواجہ حسن خیاط، حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے مرید تھے۔ آپ پیشہ کے لحاظ سے کپڑے سینے کا کام کرتے تھے۔ آپ کا مدفن حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے روضہ مبارک کے پاس ہے۔

حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی حضرت شیخ رکن الدین فردوسی کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ آپ کی قبر حوض شمسی کے پہلو میں ایک چار دیواری کے اندر حضرت برہان الدین بلخی کے قبر کے پاس ہے۔ آپ بڑے کمال کے بزرگ تھے۔ شیخ شرف الدین یحیٰی جیسے بلند پایہ بزرگ آپ کے مریدوں میں سے ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ جس دن حضرت شیخ شرف الدین یحیٰی آپ سے مرید ہونے کے ارادے سے آپ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے حضرت شیخ شرف الدین کو دیکھ کر فرمایا۔

"اے شرف!...... آؤ.. ہم تو مدت سے تمہارے آنے کے اشتیاق میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کی راہ دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ نجیب الدین نے اسی وقت حضرت شیخ شرف الدین کو مرید کرلیا اور جو امانت ان کے حصہ کی آپ کی پاس تھی، ان کو سونپ دی اور

فرمایا۔

"میری زندگی تیری مریدی پر منحصر تھی۔ جائیں .... میں نے تمہیں خدا کو سونپا۔ جب میرے مرنے کی خبر آپ تک پہنچے تو پھر آجانا..............."

حضرت شیخ شرف الدین ان سے رخصت ہو کر تھوڑی ہی دور نکلے تھے کہ حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی کے گھر سے آہ وزاری کی آوازیں آنا شروع ہو گئی تو معلوم ہوا کہ حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی وفات پا گئے ہیں۔ یہ خبر پا کر حضرت شیخ شرف الدین یحیٰی واپس پلٹ آئے اور آپ کی تجہیز و تکفین اور جنازہ میں شریک ہوئے۔

کتاب کلمات الصادقین" کے مطابق ایک دن شیخ نجیب الدین فردوسی نے ایک اکسیر شیخ شرف الدین کو دی کہ اس کو پانی میں ڈال دیں۔ شیخ شرف الدین نے یہ عمل کر کے حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی کو بتایا کہ یہ اکسیر تانبے کو سونا بنا دیتی ہے، لیکن دل پر ایک بوجھ سا بن جاتا ہے۔ یہ ایک فضول خواہش ہے، مجھے خدا اس سے محفوظ رکھے۔

یہ جواب سن کر شیخ نجیب الدین فردوسی بہت خوش ہوئے اور کاغذ پر چند حروف لکھ کر حضرت شیخ شرف الدین کو دیئے کہ سر پر رکھو۔

حضرت شیخ شرف الدین نے جب یہ کاغذ کا ٹکڑا سر پر رکھا تو ان پر کل روئے زمین کی تمام چیزیں ظاہر ہو گئیں، لیکن پھر انہوں نے کاغذ کا یہ ٹکڑا چور کر کے مرشد کے آگے رکھ کر عرض کی۔

''یہ سب پریشانی کا سامان واسباب ہیں، جوان کا طلبگار ہو اس کو عنایت کیجیے یہ بات سن کر حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی نے آپ کو شاباش دی اور دعاؤں سے نوازا۔

حضرت شیخ نجم الدین صغری و شیخ وجیہ الدین پائلی

حضرت شیخ نجم الدین صغری سلطان التمش کے دور میں شہر دہلی کے شیخ الاسلام تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شروع میں آپ کو حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے کمال درجہ محبت تھی، لیکن آخر کار بسبب دنیاوی طمع ولالچ اور سرکاری عہدے کی جاہ سے آپ حضرت

خواجہ معین الدین چشتی سے منحرف ہو گئے۔اس کی تفصیل باب اول میں مفصل دی جا چکی ہے۔آپ کا جب انتقال ہوا تو شیخ برہان الدین بلخی کے مزار کے پاس دوسرے چبوترے پر دفن کیے گئے۔حضرت شیخ وجیہ الدین پائلی حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید ہیں۔ آپ کا مفصل احوال کتاب سیر الاولیاء اور پیران چشت کے ملفوظات میں تحریر ہے۔

کتاب کلمات الصادقین کے مطابق آپ علوم ظاہری و باطنی، مجاہدہ و ترک، تجرید و فقر و فاقہ میں بہت ممتاز تھے۔حضرت سلطان المشائخ نظام الدین الاولیاء کو آپ سے بہت محبت تھی۔آپ کی حضرت خضرؑ سے اکثر ملاقات رہتی تھی۔آپ سے حضرت خضرؑ نے ایک بار فرمایا کہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید ہو جاؤ۔چنانچہ حضرت خضرؑ کی ہدایت پر آپ نے حضرت نظام الدین اولیاء کی مریدی حاصل کی۔

کتاب اخبار الاخیار کے تذکرہ کے مطابق مولانا وجیہ الدین کہا کرتے تھے کہ ایک دن میں پانی پت میں کہیں جا رہا تھا، راستے میں ایک صوفی سے ملاقات ہوئی۔اس شخص نے مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ کو کوئی مشکل درپیش ہے۔مجھے کچھ علمی معاملہ میں چند مشکلات درپیش تھیں، جن کا پورا احوال اس شخص سے بیان کیا۔اس نے نہایت تسلی بخش جواب دیا، جس سے مجھے تسکین ہوگئی۔پھر اس نے مجھ سے پوچھا۔

"تو کس کا مرید ہے"؟ میں نے جواب دیا۔ "حضرت سلطان المشائخ کا"

وہ شخص بولا۔"سلطان المشائخ ہمارے قطب ہیں .... جب حضرت شیخ وجیہ الدین پائلی کا انتقال ہوا تو آپ کو حوض شمسی کے کنارے دفن کیا گیا۔

حضرت شیخ شہاب الدین امامؒ

حضرت شیخ شہاب الدین امام بہت نیک اور پارسا بزرگ تھے۔آپ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مرید تھے اور حضرت سلطان المشائخ نے آپ کو اپنا

خلیفہ بھی بنا دیا تھا۔ آپ کو قرآن شریف لفظی و معنوی یاد تھا اور بہت ہی اچھے اور پر سوز لہجے میں آپ قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے۔

کتاب سیر الاولیاء کے مطابق آپ حضرت سلطان المشائخ کے ہاں امامت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ آپ کی تلاوت میں بہت زیادہ اثر تھا۔ جب آپ کلام پاک کی تلاوت فرماتے تھے تو سننے والوں کو بزم الٰہی کا احساس ہوتا تھا۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ آپ کی خوش الحانی سے بہت خوش ہوتے تھے اور اس بناء پر آپ سے بہت محبت و الفت رکھتے تھے۔ اکثر و بیشتر حضرت نظام الدین اولیاءؒ اپنا ملبوس خاص آپ کو عنایت فرما دیتے تھے۔ آپ حضرت سلطان المشائخ کی وفات کے بعد بھی مدت تک زندہ رہے اور دہلی کی خلقت کو ہدایت دیتے رہے۔ لوگ آپ کی تلاوت سننے کا بہت اشتیاق رکھتے تھے۔ جب آپ نے انتقال فرمایا تو آپ کو اپنے وطن موضع "الاڈوسرائے" میں دفن کیا گیا۔

..................آپ کی اولاد دہلی جدید میں شیر شاہ کے قلعے کے نیچے رہائش پذیر ہے، جو اپنے بزرگوں کی راہ پر ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اولاد کو زیادہ مرتبہ واستقامت عطا فرمائے اور اپنے مقاصد عالیہ میں کامیاب کرے۔

حضرت شیخ رکن الدین دہلوی اور حضرت مسعود بکؒ

حضرت شیخ رکن الدین دہلوی حضرت شیخ شہاب الدین امام کے بیٹے تھے۔ آپ کا شمار اولیائے وقت میں ہوتا تھا۔ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کے خلیفہ اور مرید تھے۔ اپنے والد گرامی سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا اور سجادہ نشین تھے۔ انتقال

کے بعد اپنے والد گرامی کے پہلو میں ''لاڈو سرائے'' میں دفن کیے گئے۔

حضرت مسعود بک حضرت شیخ رکن الدین بن شہاب الدین امام کے مرید ہیں اور شیخ شہاب الدین حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے اور امامت کرتے تھے۔ حضرت مسعود بک سلطان فیروز شاہ تغلق کے قرابت داروں میں سے تھے۔ آپ کا اصل نام ''شیر خان'' ہے۔ مدت دراز تک آپ نے امیرانہ ٹھاٹھ سے زندگی بسر کی کہ ناگاہ آپ میں اچانک تبدیلی آئی۔ جذبہ الٰہی نے ایسا کھینچا اور جوش مارا کہ کل چیزوں سے دستبردار ہوگئے اور زمرۂ فقراء میں سے ہوگئے۔

آپ نے اس تبدیلی کے بعد حضرت شیخ رکن الدین کی بیعت لی اور پھر آپ پر ایک عجیب حالت بے ہوشی طاری ہوگئی......

کتاب اخبارالاخیار کے مطابق آپ بادۂ وحدت کے سرشاروں میں سے تھا اور سلسلہ چشتیہ میں کسی نے اسرار وحدت کو اس قدر فاش نہیں کیا جتنا کہ آپ نے کیا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے آنسوؤں میں اس قدر حرارت تھی کہ اگر آپ کا آنسو کسی کے ہاتھ پر گر جاتا تو ہاتھ جل جاتا تھا۔ آپ نے علم تصوف و توحید پر کتابیں بھی لکھی ہیں۔ ایک کتاب آپ نے ''تمہیدات عین الصفات ہمدانی'' کی طرز میں لکھی ہے، جس میں آپ نے بہت سے حقائق و رموزبیان کیے ہیں۔

کتاب مراۃ العارفین بھی آپ کی تصنیف ہے۔ آپ فرقہ ملامیتہ کی روش رکھتے تھے۔ علمائے عصر میں متقد تھے۔ چنانچہ منصور انہی کے فتویٰ سے قتل کیے گئے۔ آپ کی قبر اپنے مرشد کے مقبرہ میں ''لاڈو سرائے'' حضرت خواجہ قطب الدینؒ کے متصل واقع ہے۔

حضرت سید الحجابؒ

آپ کو ''صدر الحجاز'' بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کا اصل نام ''معروف'' تھا۔ آپ کے تین نام تھے۔

سید الحجاز: سلطان فیروز شاہ کا دیا ہوا لقب۔

صدر الحجاز: آپ نے حج کیا۔مدینہ منورہ جا کر مقامات مقدسہ کی زیارات کی۔
اس وجہ سے آپ کا نام صدر الحجاز پڑ گیا۔

معروف: آپ کو بچپن میں دیکھ کر حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے
فرمایا تھا کہ یہ بچہ بڑا ہو کر اپنے زمانے
کے معروف مشاہیروں میں سے ہوگا۔آپ کے والد
گرامی نے نظام الدین اولیاء کے فرمائے
گئے الفاظ کی بدولت آپ کا نام ''معروف'' رکھ دیا تھا۔

تاریخ فیروز شاہی میں تذکرہ ہے کہ جس دن آپ پیدا ہوئے،اسی دن آپ کے والد گرامی حضرت خواجہ وحید الدین آپ کو حضرت نظام الدین اولیاء کے پاس لے گئے۔حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اس وقت وضو فرما رہے تھے۔آپ نے کچھ پانی اس نومولود کے منہ میں ڈال کر فرمایا۔

''اس معروف عالم کی اچھی طرح پرورش کرنا کیونکہ یہ اپنے زمانے کے مشاہیروں میں سے ہوگا۔چنانچہ آپ کے والد نے اس موقع پر آپ کا نام ''معروف'' رکھ دیا۔جب آپ بڑے ہوئے تو عبادت وریاضت میں مشغول ہو گئے۔حج کی سعادت حاصل کی اور مدینہ منورہ کی زیارت کی اور اسی نواح میں بہت اچھے سلوک و برتاؤ کے سبب'' صدر الحجاز'' کے نام سے موسوم ہو گئے۔زیارت مقدسہ سے واپس دہلی آئے تو عبادت میں مشغول ہو گئے ....سلطان محمد تغلق نے آپ کو آپ کی عقل و دانش کے سبب اپنے ہاں بلا کر نوازشات کیں اور جب فیروز شاہ کی سلطنت کا زمانہ ہوا تو اس نے آپ کو سید الحجاز کے لقب سے سرفراز کیا۔آپ نے فیروز شاہ کی ہم نشینی میں رہ کر اپنی نیک نیتی اور خدا ترسی سے مخلوق خدا کو بہت سے فائدے پہنچائے۔بادشاہ سے نقد و جنس اور گاؤں وغیرہ فقراء کو دلوائے۔جب بادشاہ کے پاس سے گھر آتے تو عبادت میں مشغول ہو جاتے۔آپ قرآن شریف کی تلاوت کثرت سے کرتے تھے۔آپ نے چالیس برس بادشاہ کی ہم نشینی میں

گزارے۔ ان چالیس برسوں میں بادشاہ کے ہاں کوئی شخص آپ جیسا مقام نہ پا سکا۔ 14 ذی الحجہ 772 ہجری اور ایک روایت کے مطابق 14 صفر کو اس دارفانی کو خیرآباد کہا۔ آپ کی قبر شیخ حیدر کے مقبرہ کے نزدیک "لاڈو سرائے" کے پاس ہے۔

حضرت مخدوم شیخ حیدرؒ

کتاب سیر الاولیاء میں ان کا احوال مندرج نہیں ہے، لیکن کتاب "لطائف اشرفی" میں ان کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ سلطان المشائخ کے خلفائے راشدہ کے "باب" میں تحریر ہے کہ آپ بڑے حوصلہ وظرف کے مالک تھے۔ آپ کی حالت نہایت مستقیم تھی۔ بہت سے لوگ آپ کے مرید تھے۔ شیخ آلہ دین جو پراگنہ میں آسودہ خاک ہیں اور شیخ علیم الدین کے مرید ہیں، حضرت مخدوم شیخ حیدر کے خلیفہ ہیں۔ کتاب کلمات الصادقین میں تحریر ہے کہ آپ حضرت سلطان المشائخ کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔ آپ کی طبیعت گوشہ نشینی کی عادی نہ تھی۔ مجلس میں بیٹھا کرتے تھے۔ اگرچہ آپ خلیفہ تھے، لیکن کسر نفسی کے باعث آپ کی نشست برخواست عام لوگوں میں رہتی تھی اور اپنے آپ کو عام لوگوں کی صورت میں ظاہر کرتے تھے۔ مشیخیت کی وضع کے معتقد نہ تھے...... آپ نے کبھی بھی اپنے آپ کو نمایاں نہ ہونے دیا...... الغرض جب آپ کا انتقال ہوا تو "لاڈو سرائے" کے نزدیک حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے روضہ کے قریب مدفون ہوئے۔

حضرت شیخ سلیمان اجودھن اور قاضی عبدالمقتدر شریحی

حضرت شیخ سلیمان ایک بلند پایہ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ آپ کو دینی و دنیاوی دولت حاصل تھی۔ آپ کو حضرت قطب الاقطاب خواجہ بختیار کاکیؒ کے دوستوں سے کمال کا اعتقاد حاصل تھا۔ آپ نے حوض شمسی کے کنارے اپنے اور اپنی اولاد کے مدفن

کے لیے ایک بڑی عالیشان خانقاہ تعمیر کروائی تھی اور یہ لوگ صف بہ صف اس خانقاہ کے صحن میں دفن ہیں۔ یہ خانقاہ اب تک حوض شمسی کے جنوب میں موجود ہے۔ آپ کے اکثر فرزند، دہلی شاہ جہان آباد محلّہ پھلواری میں مقیم ہیں اور اپنے آباؤ اجداد کی رسم پر کاربند ہیں۔

قاضی عبدالمقتدر شریحی کے والد گرامی کا نام ''رکن الدین'' تھا، جو حضرت شیخ نصیرالدین محمود کے بڑے خلفاء میں سے تھے اور بڑے دانا وعقلمند تھے۔ قاضی شہاب الدین ان ہی کے شاگردوں میں سے ہیں، جو اپنے زمانہ میں فصاحت و بلاغت میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ ''لامیت العجم'' کے معاوضہ میں ان کا ایک قصیدہ بہت مشہور ہے، جو ان کی بزرگی کا مظہر ہے۔ آپ اپنی طالبعلمی کے زمانہ میں حضرت شیخ نصیرالدین سے علمی معاملہ میں بحث کرتے تھے اور شیخ چونکہ ان کی علمی استعداد وعلت سے آگاہ تھے، اس لیے ان کی بحث کو اچھی گردانتے تھے اور آپ کو تحصیل علم کی ترغیب دیتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنے علم میں خاطر خواہ اضافہ کیا..................

قاضی عبدالمقتدر شریحی کی وفات 26 محرم الحرام 791 ہجری میں ہوئی۔ یہ سلطان فتح خان بن فیروز شاہ، جس نے اپنا خطاب تغلق رکھا تھا کا دور حکومت تھا۔ آپ کی عمر 88 برس تھی۔ آپ نے اپنے جد بزرگوار کا مقبرہ تعمیر کروایا تھا۔ آپ کی مرقد حوض شمسی کے جنوب کی طرف شیخ عبدالصمد کی خانقاہ میں (جو سلطان سکندر کے وقت کے بزرگوں میں سے تھے) واقع ہے۔

حضرت شیخ سلیمان منڈویؒ

حضرت شیخ سلیمان منڈوی کے والد گرامی کا نام ''عفان'' تھا۔ آپ کی جنم بھومی دہلی ہے۔ آپ کا سلسلہ سلطان ابراہیم ادھمؒ سے جاملتا ہے اور ارشاد کی نسبت چار واسطوں سے حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی سلطان المشائخ سے جاملتا ہے۔

نسبت ارشاد حضرت شیخ سلمان منڈی

حضرت نظام الدین اولیاءؒ
حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ
حضرت شیخ صدر الدینؒ
حضرت شیخ فتح اللہ
حضرت شیخ محمد عیسٰی جوت پوری
حضرت شیخ سلیمان منڈوی

نسبت ارادت حضرت شیخ سلمان منڈی

شیخ المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ
حضرت شیخ اخی سراج
حضرت شیخ علاؤالدین (والد گرامی شیخ نور قطب عالم)
حضرت شیخ نور قطب عالم
حضرت شیخ حسام الدین مانک پوری
شیخ عفان (والد گرامی شیخ سلیمان منڈوی)
حضرت شیخ سلیمان منڈوی

شیخ سلیمان منڈوی بزرگ آدمی تھے۔طالبوں کی تربیت اور فقیروں کے ذکر میں بے مثل تھے۔آپ نے سیروسیاحت بھی کی اور بہت سے بزرگوں سے شرف ملاقات حاصل کیا۔بڑے بڑے اکابرین سے فیض اٹھایا۔آپ پچاس برس تک مسجد اقصٰی اور بیت الحرام میں معتکف رہے۔آپ کی حضرت خضرؑ سے بھی ملاقات رہتی تھی۔آپ نے بڑی بڑی ریاضتیں کیں۔14 محرم الحرام کو آپ نے انتقال فرمایا۔آپ کا مزار حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے روضہ مبارک کے پیچھے ہے۔

حضرت مولانا سماءالدینؒ

حضرت مولانا سماءالدین حضرت شیخ کبیر الدین اسمٰعیل کے مرید و خلیفہ ہیں۔ آپ مخدوم جہانیاں سید جلال الدینؒ کے پوتے ہیں۔ آپ علوم حقیقی و مجازی میں با کمال تھے۔

کتاب اخبار الاخیار کے تذکرہ کے مطابق آپ "میر سید شریف جرجانی" کے شاگرد تھے اور آپ سے پڑھتے تھے۔ اپنی زندگی کے بعض حوادث کی وجہ سے آپ ملتان سے نکلے اور مدتوں تک جنگلوں اور ویرانوں میں بسیرا کیا۔ پھر دہلی شہر میں سکونت اختیار کرلی۔ آپ نے طویل عمر پائی۔ آپ بڑھاپے میں نابینا ہو گئے تھے مگر پھر خدا کی قدرت سے آپ کی بینائی لوٹ آئی۔

کتاب کلمات الصادقین کے مصنف نے مشہور و معروف شاعر اور فاضل حضرت شیخ جمیل کو آپ کا مرید قرار دیا ہے۔ حضرت شیخ جمیل کہا کرتے تھے کہ جب میں خشکی کے راستے سے حرمین شریف اور بیت المقدس کی زیارت سے مشرف ہوا تو سمندر کے راستے سے میں اپنے مرشد (مولانا سماءالدین) کے پاس گیا۔ بہت دنوں تک مرشد کے ہاں قیام کیا اور مرشد کے لیے وضو کا پانی تیار رکھتا تھا۔ اس دوران میں نے طرح طرح عجائبات دیکھے۔ ایک دن ایک فقیر "عین القضات ہمدانی" کے مکتوبات (کتاب) لے کر آیا۔ آپ نے اس کے ہاتھ سے یہ کتاب لے کر دیکھی اور عین القضات ہمدانی کی بہت تعریف و توصیف فرمائی............ ایک بار آپ کو بیک وقت 20 بیس جگہوں پر دعوت دی گئی۔ آپ نے یہ تمام دعوتیں قبول فرمائیں۔ دعوت والے دن آپ اپنے حجرہ میں بند ہو گئے اور باہر نہ نکلے۔ لیکن سب جگہوں پر دعوتوں میں شریک ہوئے۔

شیخ جمیل بتاتے ہیں کہ اس واقعہ پر مجھے یقین نہ آیا کیونکہ میں نا پختہ کار تھا۔ میرے دل کا وسوسہ آپ پر ظاہر ہو گیا اور ایک تیز نگاہ سے مجھے دیکھا، میرے دل سے یہ

وسوسہ پیدا ہوگیا ۔اس واقعہ کے چند دن بعد آپ کے حجرہ سے دستک کی آواز آئی ۔میں حجرہ کے باہر حاضر تھا اور سمجھا کہ مرشد (مولانا سماءالدین) مجھے اندر بلا رہے ہیں ۔میں حجرہ کے اندر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ اپنے حجرہ کے چار کونوں میں تشریف فرما تھے اور چار جگہوں پر موجود ہیں ۔میں بہت حیران ہوا اور پھر تھوڑی دیر بعد جو دیکھا کہ آپ صرف ایک ہی جگہ پر بیٹھے ہوئے ہیں ۔پھر مجھے مخاطب کر کے فرمایا:

''شیخ جمیل! فقیروں کی بہت سی صورتیں ہوتی ۔ان سے منکر نہیں ہونا چاہیے۔آپ کا انتقال جمادی الاول کی 17 تاریخ 801 ہجری میں ہوا۔آپ کا مقبرہ حوض شمسی پر واقع ہے اور زیارت گاہ خاص وعام ہے۔

حضرت جلال خانؒ

بچپن میں آپ کا نام جلال خان تھا اور جلالی آپ کا تخلص تھا۔جب آپ جوان ہوئے اور حضرت شیخ سماءالدین کی مریدی اختیار کی تو مرشد کے اشارے سے اپنا تخلص ''جمالی'' رکھ لیا۔آپ نے بہت سیر وسیاحت کی اور ہر شہر کے درویشوں سے مستفید ہوئے ۔آپ نے مدینہ منورہ کی زیارت بھی کی اور دو مرتبہ حج کا فریضہ سرانجام دیا۔

آپ کی ابتدائی نشو نما سلطان سکندر بن بہلول لودھی کے زمانہ میں ہوئی ۔آپ نے بابر بادشاہ کو دیکھا تھا اور ہمایوں بادشاہ کی صحبت پائی تھی۔آپ نے بابر بادشاہ اور ہمایوں بادشاہ کی تعریف میں کچھ قصائد بھی کہے ہیں۔

کتاب سیر العارفین آپ ہی کی تصنیف ہے۔آپ نے اپنے گھر کے قریب ایک عالیشان مقبرہ اور ایک بلند برج تعمیر کروایا تھا۔حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے روضہ کے راستہ میں سرائے کے قریب ایک بڑی مسجد آپ ہی کی تعمیر کردہ ہے۔

یہ شعر آپ نے حضورؐ کی نعت میں کہا تھا۔

موسیٰ از ہوش رفت بیک پرتو صفات
تو عین ذات مینگری در ہمی

حضرت سید حسین پائے مناریؒ

کتاب اخبار الاخیار کے مطابق سید حسین پائے مناری بہت بڑے سیاح اور درویشوں کے صحبت یافتہ تھے۔ سکندر بن بہلول کے زمانہ میں آپ شہر مقدس کی زیارت کے بعد "طوس" سے دہلی شہر میں آئے۔ آپ کی سلطان وقت سے موافقت نہیں ہوئی۔ پرانی دہلی کے قلعہ میں مسجد پائے منارہ میں آپ نے قیام فرمایا اور گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ سکندر بہلول لودھی کے بعض دوست اور امراء آپ کے معتقد ہوگئے۔ قلعہ کی اندرونی زمین پر آپ معشیت زیست کے لیے زراعت کرتے تھے اور اس کی آمدن فقیروں پر خرچ کر دیتے تھے۔ آپ کی وفات 941 ہجری میں ہوئی اور آپ کی قبر منارہ شمسی کے نیچے ہے۔

حضرت شیخ ادھنؒ

حضرت شیخ ادھن کتاب اخبار الاخیار کے مصنف شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے جدِ بزرگوار ہیں۔ آپ کا اصل نام "زین العابدین" اور عرف "شیخ ادھن" ہے۔ آپ بہت عقلمند، پرہیزگار اور عبادت گزار تھے۔ آپ کی طبیعت میں عجز وانکسار اور وقار تھا۔
کتاب اخبار الاخیار کا مصنف اپنے والد گرامی سے نقل کرکے لکھتا ہے کہ

میں نے سوائے شیخ ادھن کے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو۔آپ کے آداب و اطوار جیسے گھر سے باہر تھے ایسے ہی گھر میں تھے۔آپ ہمہ وقت یادالٰہی میں مستغرق رہتے تھے۔آپ کا چہرہ نہایت نورانی تھا............... علم و پرہیزگاری کا نور آپ کے چہرہ سے ٹپکتا تھا۔آپ زیادہ تر روزہ سے رہتے تھے۔اکل حلال کا بہت خیال رکھتے تھے۔سلطان ابراہیم بن سلطان سکندر نے ان کو اپنے ہاں بلایا، آپ نہ گئے...............
حضرت شیخ ادھن مولانا سماءالدین کے مرید تھے۔آپ کی وفات 934ہجری میں ہوئی۔ آپ کا مزار حوض شمسی کے مغرب کی جانب ہے۔

حضرت مولانا شعیبؒ

حضرت مولانا شعیب بہت معصوم صورت و سیرت میں فرشتوں جیسے تھے۔وعظ و ذکر میں اپنے زمانے کے لحاظ سے یکتا تھے۔جب آپ وعظ کہتے اور تلاوت کلام پاک کرتے تو راہ سے گزرنے والا بھی بے اختیار ہو کر سننے پر مجبور ہو جاتا تھا۔اگر چہ کسی راہ گیر کے سر پر بھاری بوجھ ہی کیوں نہ ہوتا۔آپ کا وعظ سننے پر ایک حالت طاری ہو جاتی تھی۔ چہرہ کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا۔تمام اکابرین شہر اور علماء آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ شہر کے اکثر "اہالی موالی" آپ کے شاگرد تھے۔آپ کے والد ماجد مولانا "منہاج" لاہور سے سفر کی دقتیں اٹھا کر دہلی شہر میں آگئے اور تحصیل علم میں بڑی بڑی صعوبتیں اٹھائیں۔بعد ازاں سلطان بہلول کے عہد میں شہر کے مفتی ہو گئے۔

کتاب الاخیار کے مطابق ایک فقیر آپ کے پاس آیا اور کہا کہ تمھیں ایک کام سکھاتا ہوں اس شرط پر کہ اس کام کو ترک کر دو جو تم کر رہے ہو اور اپنا علم درس و تدریس موقوف کر دو۔آپ نے فقیر کی یہ بات سن کر توقف کیا اور کہا کہ یکبارگی کے ساتھ میں اس علم کو نہیں چھوڑ سکتا۔کیونکہ میں نے ایک مدت اس علم کے حصول میں صرف کی ہے۔ایکا

ایکی اس کا چھوڑنا میرے لیے ناممکن ہوگا۔ مجھے کوئی ایسا گر بھی بتا دیجیے کہ جس کی مشغولیت سے میرا حاصل کردہ علم معدوم ہو جائے .... آپ کا جواب سن کر وہ فقیر آپ کے پاس سے اٹھا اور ”شیخ یوسف قتال“ کے پاس چلا گیا اور یہی کلمات ان سے جا کر کہے۔ وہ فقیر کا فرمان بجالائے۔ شیخ یوسف قتال کا مقبرہ ”ست پلہ“ کے پاس ہے، جو سلطان محمد تغلق کا بنوایا ہوا ہے .... حضرت مولانا شعیب نے 936 ہجری میں وفات پائی۔ آپ کی قبر حوض شمسی پر جانب شمال ملک زین العابدین کی خانقاہ کے پاس ہے۔

حضرت مولانا درویش محمد واعظؒ

حضرت مولانا درویش محمد واعظ ایک نہایت ریاضت کش شخص تھے۔ سالک و عارف اور درویشی کی تمام صفات سے متصف تھے۔ آپ کی تمام زندگی ریاضت و سلوک کے سفر میں بسر ہوئی۔ آپ کی جسمانی صحت اچھی تھی اور درویشانہ ذوق بہت بڑھ چڑھ کر تھا۔ کبھی کبھی آپ ”لے“ کی آواز پر اس قدر آہ وزاری فرماتے تھے کہ جس کا بیان الفاظ کی طاقت سے باہر ہے۔

آپ ماوراالنہر کے رہنے والے تھے۔ آپ نے برسوں حرمین شریف میں فقر و فاقہ، ریاضت و مجاہدہ اور عبادت میں بسر کیے۔ افغانوں کے زمانہ میں 955 ہجری میں ہندوستان آئے اور اکثر بزرگان سے شرف نیاز حاصل کر کے دہلی میں فقیروں کی مانند رہنے لگے۔ 970 ہجری میں آپ نے انتقال فرمایا .... آپ کی قبر شیخ برہان الدین بلخی کے چبوترہ کے پاس ہے، جس کو ”تختہ نور“ بھی کہتے ہیں۔ یہاں اور بھی بہت سے بزرگوں کے مزارات ہیں۔ مثلاً ”چہل تن، چہل من“ جن کو ”چہل ابدال“ بھی کہتے ہیں۔ مزید بہت سے بزرگ بھی یہاں محو استراحت ہیں، جن کا احوال لکھنے کی اس کتاب میں گنجائش

نہیں ۔طالب کو چاہیے کہ ان مقامات کی زیارت کرے اور دل و دماغ کو خوشبو وحدت سے معطر کرے۔

حضرت سید امجد و سید زین الدینؒ

سید امجد اور سید زین الدین دونوں بزرگوں کو کشف ارواح و کشف القبور حاصل تھا۔ انہوں نے بلا واسطہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی روح پاک سے تربیت حاصل کی ہےاور "اویشیوں" کی مانند آنحضرتؐ کے مرید بھی ہو گئے۔

ایک دن حضرت سید امجد کا دریا پر سے گزر ہوا اور یہ ڈوبنے لگے۔ایک آدمی نے ان کو پانی سے نکالا۔آپ کو دریا سے نکالنے والے اس اجنبی شخص کے بارے میں یقین ہو گیا کہ وہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ہیں۔اس دن کے بعد آپ نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے روضہ مبارک کو اپنا مستقل ٹھکانہ بنالیا اور گوشہ نشینی اختیار کر لی اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے تصور میں بیٹھ گئے۔حضرت سید زین الدین نے بھی ان کے دیکھا دیکھی یہی طریقہ اپنالیا اور قطب الاقطاب کے آستانہ سے پاؤں باہر نہ نکالا۔جب ان بزرگوں کا انتقال ہوا تو حوض شمسی پر مغرب کی جانب سے حضرت شیخ عبدالحق کے مقبرہ کے پاس دفن ہوئے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا شمار اولیائے کبار اور بزرگ مشائخ میں ہوتا ہے۔آپ حضرت شاہ موسیٰ گیلانی کے مرید تھے۔حضرت شاہ موسیٰ گیلانی حضرت شاہ عبدالقادر گیلانی کی اولاد پاک میں سے تھے .... حضرت شاہ موسیٰ گیلانی ملتانی کا مزار ملتان میں ہے۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو بزرگوں سے بہت سی نعمتیں

حاصل ہوئی ہیں۔حضرت عبدالحق محدث دہلوی عین عالم شباب میں دنیاوی نعمتوں اور لذتوں سے دست بردار ہو کر مکہ معظمہ چلے گئے تھے۔حج کا فریضہ ادا کر کے شیخ عبدالوہاب جو حضرت شیخ علی متقی کے خلیفہ تھے، سے نیاز اور فیض حاصل کیا۔علم حدیث کی سند حاصل کر کے دوسروں کو پڑھانے کی اجازت حاصل کی۔مدتوں تک مکہ شریف میں نہایت ریاضت اور مشقت اٹھائی۔مدینہ منورہ کی زیارت کی اور ''اویسیوں'' کی طرح حضرت رسول معظم ومکرمؐ کی روح پاک سے تربیت پائی اور گمراہوں کو راہ ہدایت پر لانے کے لیے آپ مجاز ٹھہرائے گئے۔آپ کو وطن قدیم ہندوستان شہر دہلی میں قیام کر کے ہدایت و راہنمائی کے لیے مامور کیا گیا۔چنانچہ آپ نے دہلی میں آ کر درس وہدایت کا فریضہ سر انجام دیا۔علم واحادیث اور دینی ودنیاوی علوم میں کامل ہونے کی دلیل آپ کی تصانیف ہیں۔علم کی جس معراج پر آپ پہنچے ہوئے تھے،علمائے ظاہر وباطن کی علمی استعداد وہاں تک نہیں پہنچ پائی تھی۔ہر علم پر خواہ وعقلی ہو،باطنی ہو آپ کی تصانیف موجود ہیں۔

﴿مکتوب گرامی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ﴾

(حضرت شیخ الاسلام خواجہ معین الدین چشتیؒ کی جانب سے حضرت خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکیؒ کو لکھا گیا ایک مکتوب جو لالہ چرنجی لال ''مطبع محبّ ہند دہلی'' کے مالک کو مرزا محمد احمد اختر صاحب چشتی نظامی والصابری دہلوی سے حاصل ہوا تھا۔ یہی مکتوب ''روحانی ڈائجسٹ'' شمارہ اپریل 2005 کتاب ''مجموعہ مکتوبات (فارسی)

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، مترجم حکیم نیاز احمد صابری کے حوالہ سے شائع ہوا ہے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اہل یقین کے ہمراہ میرے بھائی خواجہ قطب الدین!

اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت پر گامزن فرمائے۔

یہ حقیر فقیر معین الدین حسن سنجری بعد از دعا کے وحدت وہدایت کے چند نکات اور رموز خفی جو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ سے ہیں، آپ کے لیے تحریر کرتا ہے۔ان کو نہایت اعتماد واعتقاد سے سنو اور ان سے فیض وعشق حاصل کرو۔

کلمہ طیبہ کی حقیقت

ایک روز رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام، حضرت امام حسن علیہ السلام، حضرت امام حسین علیہ السلام، حضرت ابو ہریرہ، انس ابن مسعود، خالد بن ولید وغیرہ کو اثنائے تربیت میں اللہ تعالیٰ کے پوشیدہ بھید اور حقائق اور معرفت کے تصورات وعمل سکھار ہے تھے لیکن حضرت عمرؓ حاضر نہ تھے۔اتفاقاً حضرت عمرؓ بھی اس وقت رسول مقبولؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو دیکھتے ہی خاموشی اختیار کر لی۔بعض صحابہ کرام کو تعجب ہوا، اور ان کے دل میں یہ خیال گزرا کہ شاید سرکار دو عالمؐ حضرت عمر فاروقؓ کو یہ رموز واسرار اور حقائق معارف بتانے سے گریز فرمار ہے ہیں۔

اس خیال سے آگاہ ہو کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میں نے باطنی اسرار اور موز کو عمر سے پنہاں نہیں رکھا بلکہ بات یوں ہے کہ شیر خوار بچے کو مرغن غذا، حلوہ اور گوشت وغیرہ اور دوسری ثقیل غذائیں کھلائی جائیں تو اس کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں، لیکن جب بچہ سن بلوغت تک پہنچ جاتا ہے تو کھانے پینے کی کوئی چیز اسے ضرر نہیں پہنچا

سکتی......جس شخص کو عرفان حاصل ہو جاتا ہے، اس کو زبان سے اللہ اللہ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی اور جو زبان سے اللہ اللہ کہتا ہے، جان لو کہ ابھی اس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہوئی"۔

حضرت عمر نے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ کیسی معرفت ہے کہ بندہ اپنے مالک (اللہ تعالیٰ) کا نام ہی نہ لے اور اس کی یاد ترک کر دے؟"..................

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواباً فرمایا کہ:

"اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے..........تم جہاں کہیں ہو، وہیں اللہ تمہارے ساتھ ہے.....

لہذا اے عمر! جو ہستی ہر وقت تمہارے ساتھ ہو اور کسی وقت بھی نظر سے پوشیدہ نہ ہو، اس کی یاد (زبانی) کیونکر ضروری ہے؟"

حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کی کہ "اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ کہاں ہے؟"

حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا کہ "اللہ بندہ کے دل میں ہے"

حضرت عمر فاروقؓ نے بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا:

"اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بندے کا دل کہاں ہے؟"

حضور اکرم سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"دل کی دو قسمیں ہیں،......ایک دل وہ جو جسم میں بائیں جانب موجود ہے، دوسرا قلبِ حقیقی ہے......اے عمر! حقیقی دل نہ دائیں جانب ہے نہ بائیں طرف، نہ دور ہے نہ نزدیک، نہ اوپر کی طرف ہے نہ نیچے کی جانب، لیکن حقیقی دل کی پہچان کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کا حصہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی حضوری میں ہر وقت مستغرق رہتے ہیں۔ کیونکہ مومنِ کامل کا دل حقیقت میں عرش ہوتا ہے۔ مومن کا دل اللہ کا عرش ہے۔ مومن کے دل میں ذکر خفی ہمہ وقت جاری رہتا ہے اور اسے دائمی زندگی حاصل ہوتی ہے اور مسلمان کا دل ذکرِ خفی سے غافل ہوتا ہے، اس لیے وہ حقیقت میں مردہ

شمار ہوتا ہے"۔

حضرت عمرؓ نے سوال کیا: "مومن اور مسلمان میں کیا فرق ہے؟"......

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مومن عارف باللہ ہوتا ہے!...... عارف میں یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ خاموشی اور عجز کی حالت میں رہتا ہے، جبکہ مسلمان زاہد خشک ہوتا ہے۔ مومن وہ نہیں جو مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور (زبانی طور پر) لاالہ الا اللہ کہتے ہیں۔

اے عمر! ایسے کلمہ پڑھنے والے حقیقت سے بےخبر اور بے بہرہ ہوتے ہیں۔ یہ مومن نہیں بلکہ منافق ہیں کیونکہ زبان سے لا الہ الا اللہ کا اقرار کرتے ہیں لیکن کلمہ کا معنی (مفہوم) نہیں جانتے۔ وہ اس سے بالکل بے بہرہ ہیں کہ کلمہ کا اصل مقصد کیا ہے۔ یعنی لا الہ الا اللہ پڑھ لیتے ہیں لیکن اس بات کا علم نہیں رکھتے کہ نفی کا مفہوم کیا ہے اور اثبات کیا ہے؟...............اور اس طرح شک کے ساتھ کلمہ پڑھنا شرک ہے اور شک وشرک عین کفر ہے۔ اس طرح کلمہ پڑھنے والے کافر ہیں کیونکہ وہ اس بات سے بےخبر ہیں کہ کلمہ میں کسی کی نفی مراد ہے اور کس کا اثبات"۔

حضرت عمرؓ نے عرض کی "پھر کلمہ طیبہ کا اصل مطلب کیا ہے؟"......

حضور اکرم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"کلمہ طیبہ کے معانی یہ ہیں ...... اللہ وحدہ لا شریک لہٗ کے سوائے کائنات میں کوئی موجود نہیں ....اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی صفات کے مظہر ہیں۔ طالب خدا کو چاہیے کہ اپنے دل میں غیر اللہ کا خیال تک نہ آنے دے......اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جس طرف دیکھو اسی طرف اللہ کا ظہور ہے۔

اے عمر! جب سالک اپنی تمام صفات کو معدوم خیال کرے، صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی موجود سمجھے، اس حال میں وہ سالک مرتبۂ کمال کو پہنچ جاتا ہے"۔

یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ عارف کامل پر اطمینان اور خاموشی کی حالت وارد ہو جاتی ہے کیونکہ آہ و زاری، بے تابی اور بے چینی کی

حالت عارف کامل پر اس وقت تک ہی طاری رہتی ہے، جب تک طالب کو مطلوب کا وصال نہ ہو جائے۔جب طالب کو مطلوب مل جاتا ہے تو آہ وفغاں، بے چینی اور اضطراب کی حالت جو اس پر مسلط ہوتی ہے،ان تمام کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔اب بجائے آہ وزاری، بے چینی اور بے قراری کے اسے سکون واطمینان اوردل جمعی حاصل ہوجاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عارفِ کامل صحیح معنوں میں شہنشاہ ہوتا ہے،اسے اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کسی سے امید ہوتی ہے نہ کسی کا ڈر!......انہیں لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ..

''اللہ کے دوستوں کو نہ کسی کا خوف ہوتا ہے نہ کسی بات سے وہ غمگین ہوتے ہیں''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اے عمرؓ! یقین رکھو، جب تک سالک غیر اللہ کا وجود اپنے دل سے نہیں نکال دیتا، تب تک منزلِ عرفان کے راستے پر قدم بھی نہیں رکھ سکتا۔نہ ہی عارف کامل بن سکتا ہے۔کیونکہ یاد بھی ایک قسم کی دوئی ہے اور عارفوں کے نزدیک دوئی عین کفر ہے۔جب تک طالب اس مقام تک نہ پہنچے، اس وقت تک سچا موحد نہیں بن سکتا۔وہ اپنے موحد ہونے کے دعوے میں سراسر جھوٹا ہے''۔

نماز کی حقیقت

حضرت عمرؓ نے پوچھا''نمازِ حقیقی کیا ہے؟''............

رحمۃ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ حقیقی کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''اے عمر! وہ نماز ہی نہیں جو حضورِ قلب کے ساتھ ادا نہ کی جائے ......نمازِ حقیقی

سے کامل مومن اور عارفِ خدا کو دائمی حضوری حاصل ہوتی ہے۔

نماز کی دو قسمیں ہیں.........ایک نماز علمائے ظاہری، فقہا اور خشک زاہدوں کی ہے، جس کی حد صرف قول اور فعل تک ہے۔ اس نماز سے اللہ تعالیٰ کا وصال نہیں حاصل ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی رسائی بھی عالم نفسانی تک محدود رہتی ہے۔ دوسری نماز انبیائے کرام اور اولیاء اللہ کی ہے، جو حضورِ قلب سے ادا کی جاتی ہے۔ اس کا ثمر اللہ کا وصل ہے اور اس کی رسائی عالم جبروت تک ہوتی ہے۔

اے عمر! نمازِ حقیقی درحقیقت یہی نماز ہے، ورنہ عام لوگ جو نماز ظاہری طور پر حضورِ قلب کے بغیر ادا کرتے ہیں، یہ نفسانی نماز ہے، رحمانی نہیں ہے۔ جس نے مسجد میں طویل نماز پڑھی اور بدن کو لوگوں کی نگاہوں میں جبے اور عمامہ کے ساتھ آراستہ کیا مگر اس کے دل میں انکساری اور عاجزی پیدا نہ ہوئی پس وہ حجاب میں ہے اور نہ اس کی نماز ہے نہ وصال"۔

ظاہر پرست علماء اور ریا کار صوفیاء خوب جبہ و دستار باندھ کر ظاہری شان و شوکت ٹھاٹ باٹھ بنا کر محض ریا کاری کی نماز پڑھتے ہیں۔ ان کے نفس تکبر، غرور اور خود پسندی میں

مبتلا ہیں اور انتہائی ذلت اور گمراہی کے گڑھے میں گرے ہوئے ہیں۔ ان کی نماز کیا حقیقت رکھتی ہے؟ کیونکہ یہ لوگ نفس کے غلام ہیں اور نفسانی آدمی اصل میں انسانی روپ میں شیطان ہوتا ہے۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ شیطان کافر اور گمراہ ہے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ ایسے لوگ حقیقت میں کافر اور گمراہ ہیں۔

انہیں چاہیے کہ کسی کامل مرشد کی صحبت میں رہ کر اپنے دل کو نفسانی تکبر و غرور اور خود پسندی کے خس و خاشاک سے پاک، صاف اور دل کو اللہ تعالیٰ کی معرفت سے معمور اور آباد کریں تا کہ صحیح معنوں میں انسان بن جائیں۔

جب یہ لوگ ذلالت اور گمراہی سے نکل کر سیدھے راستے پر آجائیں گے تو اس وقت ان کی نماز حقیقی نماز ہوگی اور یہی نماز بارگاہ رب العزت میں شرف قبولیت حاصل کرے گی۔ خوش نصیبی سے ایسا حقیقی نمازی ہزاروں میں سے کوئی ایک بھی میسر آجائے تو

اس کی صحبت اور خدمت اکسیر اور کیمیاء سے کئی درجے بہتر اور مفید ہے۔

جبکہ یہ گمراہ لوگ درحقیقت بتوں کے پجاری ہیں۔تعجب یہ ہے کہ وہ اپنی بت پرستی پر بڑا ناز اور فخر کرتے ہیں اور وہ لوگ بھی عجیب قسم کے کور باطن اور عجب نادان ہیں، جو ایسے ریاکاروں کو نمازی سمجھتے ہیں۔ایسی بے حقیقت نماز سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟

حضور اکرم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ......

''انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ ہمیشہ حضورِ قلب سے نماز قائم کرتے ہیں''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک فرمان یہ بھی ہے کہ...... ''انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ جب نماز قائم کرتے ہیں تو ان کے حواسِ خمسہ غیر اللہ سے بے نیاز ہو جاتے ہیں اور ان کا ایک ایک سانس اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزرتا ہے''۔

ذکر کی حقیقت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اے عمر! انبیاء اور اولیاء اللہ ہمیشہ ذکر خفی میں رہتے ہیں۔زبان کا ذکر لقلقہ ہے اور دل کا ذکر وسوسہ ہے ....روح کا ذکر مشاہدۂ الٰہی ہے اور ذکر خفی ہمیشہ ہوا کرتا ہے...................

اے عمر! ذکر خفی اور حقیقی نماز ترکِ وجود ہے جبکہ عابدوں اور زاہدوں کی نماز کا انحصار رکوع وسجود پر ہے۔زاہدوں کی نماز سجود ہے۔عاشقوں کی نماز اپنے وجود کو ترک کرنا ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو موجود نہ خیال کرنا اور غیر اللہ کے وجود کو دل سے نکال دینا''۔

روزہ کی حقیقت

شاہِ دوجہاںؐ نے فرمایا:..................

"اے عمر! روزہ کی حقیقی تعریف یہ ہے کہ انسان اپنے دل کو تمام دینی اور دنیاوی تمناؤں اور خواہشات سے پاک اور صاف رکھے، کیونکہ دینی خواہشات اور تمنائیں (مثلاً خواہشِ بہشت اور حور و غلمان وغیرہ) عبد اور معبود کے درمیان حجاب (رکاوٹ) ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے بندہ اپنے معبودِ حقیقی کا وصال نہیں کر سکتا .... جبکہ دنیا کی خواہشات (مثلاً حبِ جاہ و مال) وغیرہ سراسر شرک ہے"۔

روزہ کے لیے فاسد امور

غیر اللہ کے فکر و خیال میں محو رہنا، قیامت کا خوف، جنت کی خواہش اور فکرِ آخرت یہ سب حقیقی روزہ کو توڑنے والی چیزیں ہیں۔ حقیقی روزہ تب درست اور صحیح رہ سکتا ہے، جبکہ انسان اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کو اپنے دل سے بھلا دے۔ یعنی غیر اللہ کا اسے مطلق علم ہی نہ رہے اور ہر قسم کی تمنائیں، خواہشیں اور امیدیں اور ہر طرح کا خوف و ڈر اپنے دل سے نکال دے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کے علاوہ مجھے کسی چیز کا دیدار مطلوب نہیں ہے"۔

حقیقی روزہ کا افطار صرف اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔

حضور اکرمؐ نے مذکور مجلس عرفان میں ارشاد فرمایا:..................

اے عمر!.................. حقیقی روزہ کی ابتداء بھی اللہ کے دیدار سے ہوتی ہے اور انتہا بھی اللہ کے دیدار پر ہوتی ہے..................۔

اے عمر! لوگ روزہ رکھتے ہیں، جس میں کھانے پینے اور جماع سے پرہیز کرنا پڑتا ہے۔ یہ روزہ حقیقی نہیں، اس روزے میں غیر اللہ کا ترک نہیں ہوتا۔ تاہم نفسانی اور انسانی خطرات اس میں حائل ہوتے رہتے ہیں۔ ایسے روزہ رکھنے والوں کے قول و فعل سراسر غیر اللہ ہیں"..................

مرشد کامل کی ضرورت

حضور پاکؐ نے فرمایا:

''اے عمر! ....لوگ کامل مرشد کے بغیر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کر سکتے اور باطنی اصلاح کے بغیر عالم جبروت تک ان کی رسائی ممکن نہیں۔وہ عالم ناسوت اور عالم ملکوت میں بھٹکتے رہتے ہیں۔یہ لوگ شہوت کے پجاری اور شہرت کے طالب ہوتے ہیں...................

اے عمر! ....ایسے تمام لوگ جو اللہ کی معرفت میں جذب نہیں ہوئے ہیں،وہ اسرار الٰہی سے سراسر بے بہرہ ہیں۔یہ لوگ دنیا کی زیب وزینت وآرائش وبناوٹ اور نفسانی خواہشات کے پیچھے مارے مارے پھرتے ہیں۔اگرچہ وہ جبہ ودستار اور صوفیاء کے لباس میں ملبوس ہوتے ہیں،لیکن حقیقت میں ان کی اندرونی حالت یہ ہے کہ وہ دنیاوی لالچ وحرص وہوس اور نفسانی خواہشات میں مبتلا ہیں۔ان کا مقصد اس فقیری لباس سے خدا پرستی نہیں بلکہ وہ سراسر ظاہری شان وشوکت اور جاہ ومنزلت کے طالب ہوتے ہیں۔ان کا کلمہ،نماز اور روزہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔جو شخص محقق سالکوں کی جماعت میں داخل ہو جائے اور اللہ کی معرفت میں کمال درجے تک رسائی حاصل کر لے،اس کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی ہستی اور خودی کو یکسر مٹا دے۔جو لوگ اپنی خودی کو نہیں مٹا سکتے،خواہ وہ صوفیاء کے لباس میں ملبوس ہوں،وہ معرفتِ الٰہی کی منزل میں قدم نہیں رکھ سکتے۔انسان منزلِ عرفان پر اس وقت ہی پہنچ سکتا ہے،جب وہ اپنی خودی اور ہستی کو یکسر بھلا دے اور محض ذاتِ الٰہی کا ہمہ وقت طالب رہے''۔

زکوٰۃ کی حقیقت

رحمت عالمؐ نے ارشاد فرمایا:..................

اے عمر! ....غور سے سنو! زکوٰۃ آزاد پر فرض ہے، غلام پر فرض نہیں۔ جب تک بندہ نفس کی غلامی سے رہائی نہ پائے، اس وقت تک آزاد لوگوں کے گروہ میں داخل نہیں ہو سکتا اور جب آزادی نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ کیسے فرض ہو سکتی ہے۔ بندۂ نفس کو سب سے پہلے نفس کی غلامی سے آزادی حاصل کرنی چاہیے تاکہ وہ حقیقی زکوٰۃ ادا کرنے کے قابل ہو سکے۔ نیز زکوٰۃ بالغ اور عاقل پر فرض ہے، دیوانے اور نابالغ پر فرض نہیں ہے۔ پس جس شخص پر غفلت اور نفسانیت کا شیطان سوار ہو اور وہ ہر وقت اس کے پنجے میں گرفتار ہو، وہ عاقل اور بالغ نہیں ہو سکتا بلکہ وہ ایک نابالغ شیر خوار بچے کی طرف ہے اور اہل معرفت کے نزدیک معدوم تصور کیا جاتا ہے۔ اس پر حقیقی زکوٰۃ کیسے فرض ہو سکتی ہے۔ پس سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ بندۂ نفس نفسانیت کی بے شعوری سے رہائی حاصل کر لے تاکہ وہ معرفتِ ربانی کی آزادی اور عقل و سمجھ سے سرفراز ہو کر حقیقی زکوٰۃ ادا کرنے کے قابل بن جائے۔

اے عمر! ....عارفانِ خدا کے علاوہ گنجِ حقیقی کی کسی کو خبر نہیں۔ گنجِ حقیقی درحقیقت اللہ تعالیٰ کا راز ہے اور اہل معرفت کے دل اس رازِ الٰہی کے خزانے سے معمور ہوتے ہیں۔ ان اہل معرفت پر فرض ہے کہ وہ حقیقی خزانہ میں سے اللہ کے رازوں کی زکوٰۃ گمراہوں اور بے سمجھ لوگوں کو عنایت فرمائیں اور گمراہی کے میدان میں بھٹکے ہوئے لوگوں کی رہنمائی فرمائیں کیونکہ حق دار کو اس کا حق دینا زکوٰۃ ہے''۔

حج کی حقیقت

سیدنا حضور اکرمؐ نے فرمایا:

اے عمر! ....جان لو کہ خانہ خدا انسان کا دل ہوتا ہے۔ انسان کا دل

رحمٰن کا گھر ہے۔ مومن کا دل اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔ اس لیے کعبہ دل کا حج کرنا چاہیے"۔

حضرت عمر فاروقؓ نے بارگاہ نبوتؐ میں عرض کی:

"یا رسولؐ اللہ کعبۂ دل کا حج کیسے کیا جائے"؟ ....حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:...... "انسان کا وجود ایک چار دیواری کی مانند ہے۔ اگر اس چار دیواری میں سے شک، وہم اور غیر اللہ کا پردہ ہٹا دیا جائے تو دل کے آنگن میں اللہ تعالیٰ کا جلوہ نظر آجائے گا۔ نیز ایسا حقیقی حج کرنے کا مقصد یہی ہے کہ انسان اپنی خودی اور ہستی اس طرح مٹا دے کہ اس کا ذرہ بھر بھی احساس باقی نہ رہے۔ یہاں تک کہ ظاہر و باطن پاک ہو جائے اور دل اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہو جائے"۔

حضرت عمرؓ نے عرض کی:...... "اپنی ہستی کی فنا کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟"......

رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:........... "جو شخص اللہ تعالیٰ کا عاشق ہو گیا وہ فنا فی اللہ ہو گیا اور جو فنا فی اللہ ہو گیا وہ ذاتِ حق کا مظہر ہو گیا"...... پھر حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا:...... "یا رسولؐ اللہ! دل کو بیت اللہ اور عرش الٰہی کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟"......

حضور پرنورؐ نے جواباً ارشاد فرمایا:........................

"اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے .... میں تمہارے اندر ہوں پھر تم کیوں مجھے نہیں دیکھتے........... اے عمر! رہنے کی جگہ کو گھر کہتے ہیں۔ چونکہ اللہ دل میں رہتا ہے، لہٰذا دل بیت اللہ ہے اور عرش الٰہی قرار پایا"۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا: "کعبہ دل کا حج کون ادا کرتا ہے؟"...... رسول اکرمؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:......

"خود اللہ!...... جب بندہ نفس کی غلامی کا پردہ دور کر دیتا ہے اور عبد و معبود یعنی بندے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں رہتا تو وہ اللہ کی صفات سے متصف ہو جاتا ہے۔ اللہ کی صفات کا بندے کے دل میں سما نا ہی کعبۂ دل کا حج ہے۔"

مکتوب گرامی حضرت قلندر بابا اولیاءؒ

(حضرت قلندر بابا اولیاءؒ کا ایک خط جو آپ نے ایک صاحب کے استفسارات کے جواب میں تحریر کروایا تھا۔اس کتاب میں درج کیا جارہا ہے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر عزیز سلمۂ اللہ تعالیٰ، بہت دعا۔

حسب ذیل عبارت تمہارے تحریر کردہ سوالات کے جواب میں لکھی جارہی ہے۔ بظاہر سوالات بالکل مختصر اور آسان ہیں، لیکن ان کا جواب زیادہ غور طلب ہے اور تفصیل چاہتا ہے۔اگر پوری باتیں سمجھنے میں دقت پیش آئے تو بار بار پڑھ کے اور غور کر کے الفاظ کا مفہوم اچھی طرح ذہن نشین کرلینا۔یہ ایسی باتیں ہیں جن کا صرف کاغذ پر لکھا رہنا کافی نہیں ہے۔ان کا حافظہ میں نقش کرنا ضروری ہے۔

لوحِ محفوظ سے ایک نور آتا ہے وہ اس طرح پھیلتا ہے کہ ساری کائنات اس کی گرفت میں ہوتی ہے۔اس کے پھیلنے کی طرزیں کسی ایک سمت میں نہیں ہوتیں بلکہ ہر سمت میں ہوتی ہیں۔اسی بات کو دوسرے الفاظ میں اس طرح کہیں گے کہ اس نور کے پھیلنے کی کوئی سمت نہیں ہوتی۔اب تم سمت نہ ہونے کا مطلب سمجھ لو کہ سمت نہ ہونا کیا چیز ہے اور نور کا تمام سمتوں میں پھیلنا کیا معنی رکھتا ہے۔

ساری باتیں قرآن پاک میں بالتصریح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہیں.............افسوس یہ ہے کہ ان ارشادات کو متشابہات.............کہہ کر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔تحریر میں زیادہ گنجائش نہیں ہے صرف ایک مثال دے کر میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔اس مثال پر غور کرو۔

چند خلاباز خلا میں جا چکے ہیں وہ کہتے ہیں کہ سو(۱۰۰) میل سے زیادہ بلندی پر ایک تو بالکل بے وزنی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے دوسرے یہ کہ زمین یا تو بالکل گول یا تقریباً گول نظر آتی ہے۔ایک نے کہا کہ گیند نما نظر آتی ہے۔تم نے خود بھی مشاہدہ میں دیکھا ہے کہ بیضہ کی صورت ہے۔اب صحیح صورت حال سمجھنا چاہو تو یہ نظر آئے گا یا یہ محسوس ہوگا یا یہ حقیقت منکشف ہوگی کہ ساڑھے تین ارب انسان اور چلنے پھرنے والے چوپائے سب کے سب ٹانگوں کے بل زمین سے لٹکے ہوئے ہیں.................. ہر انسان یہ کہتا ہے کہ میں زمین پر پیروں کے بل چل رہا ہوں۔سمجھ لو کہ وہ کتنی غلط بات کہہ رہا ہے۔جب سے نوع انسانی آباد ہے، وہ تمام لوگ جن پر حقیقت منکشف نہیں ہوئی ہے، یہی کہتے ہیں، یہی سمجھتے ہیں،غور کرو کہ جب آدمی پیروں کے بل لٹک رہا ہے تو چل کیسے سکتا ہے۔لٹکنے کی حالت تو بالکل جبری ہے۔اس کا یہ کہنا کہ میں چل رہا ہوں، سراسر غلط ہے۔جبری حالت میں اس کا ارادہ بے معنی ہے۔اس لیے کہ اس کی اپنی کوئی حرکت ممکن نہیں۔یہ بات تو قرین قیاس ہے کہ جن تاروں میں اس کے پیر بندھے ہوئے ہیں وہ تار حرکت کرتے ہوں ان تاروں سے انسان کے ارادے کا کیا تعلق جب کہ انسان کو ان تاروں کا کوئی علم ہی نہیں

....

باوجود اتنی صریح غلطیوں کے وہ دعوے کرتا ہے کہ میرا سر بلندی کی طرف ہے اور میرے پیر پستی کی طرف اور میں چلتا پھرتا ہوں۔واقعہ یہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو ایک ہَوا بنا لیا ہے اور کہتا ہے کہ یہ ہَوا حقیقت ہے..................

دراصل نہ کوئی سمت ہے ، نہ انسان حرکت کرنے کی قدرت رکھتا ہے

....

ہاں صرف نیت کر سکتا ہے۔چنانچہ اس نے اپنی نیت ہی میں لاشمار دعوے جمع کر لیے۔انسان کے باقی تمام دعوؤں کا اس ہی دعوے پر قیاس کر لو۔اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ہر مشاہدہ کو رد کیا ہے جگہ جگہ فرمایا ہے۔

"تم نہیں سمجھتے ایسا ہے، ایسا ہے اور تم نہیں دیکھتے ...."

ایک جگہ فرمایا:

''تم دیکھتے ہو پہاڑ اور گمان کرتے ہو کہ یہ جم رہے ہیں..................''

''اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو قرآن پاک میں غیب فرمایا ہے وانسان کا غیب ہے اللہ کا غیب نہیں ہے تو اللہ کے لیے حضور ہے۔ جو اللہ کا حضور ہے وہ حقیقت ہے جو انسان پر منکشف نہیں ہے۔ اس لیے جو اس کا مشاہدہ ہے وہ حقیقت نہیں ہے اس ہی لیے یہ غلط ہے ......بدیں سبب ہر مشاہدہ کو رد کیا ہے۔ اب ساری حقیقت عالم حضوری ہے..................''

علم حضوری اللہ کی طرف سے ملتا ہے..................جس کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں........قرآن پاک میں اس کی بھی وضاحت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

'' جس نے ہمارے لیے جھد کیا ہے ہم اس پر اپنی راہیں کھول دیتے ہیں..................''

قرآن پاک میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔

ملکہ سبا کے قصے میں ہے جب سلیمانؑ نے کہا اپنے درباریوں سے کہ تم میں سے کون اس کا تخت جلدی لا سکتا ہے تو جنات میں سے ایک نے کہا کہ جتنی دیر میں آپ دربار برخاست کریں میں تخت حاضر کر دوں گا..................

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ایک دوسرے شخص نے کہا کہ پلک جھپکنے بھی نہ پائے گی کہ تخت یہاں موجود ہو گا ....اور تخت آ گیا.......... اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی خصوصیت بتائی ہے کہ وہ کتاب کا علم رکھتا تھا۔ جتنے صحائف آسمانی ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو کتاب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان میں قرآن بھی ہے۔ چنانچہ قرآن میں یہ علم موجود ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ بار بار قرآن کو کتاب کے نام سے موسوم کیا ہے..........۔

جو قرآن نہیں سمجھتے وہ جو بھی چاہیں کہیں ان کی زبان کون پکڑ سکتا ہے۔ لیکن قرآن خود ان کی تردید کرتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ تم عربی پڑھو اور قرآن کو قرآن کے الفاظ میں سمجھو۔ بغیر کسی تاویل اور بغیر کسی اثر کے بالکل غیر جانبدار ہو کر اس تصور سے کہ اللہ

تعالیٰ کیا فرماتے ہیں۔ جہاں تک سمجھنے کا سوال ہے، اللہ تعالیٰ نے خود وعدہ فرمایا ہے کہ میں نے تمہارے لیے قرآن کا سمجھنا آسان کر دیا ہے، ہے کوئی سمجھنے والا؟..................

یہ صلائے عام ہے، سورۃ قمر میں چار مرتبہ یہ بات کہی گئی ہے۔

آمدم برسر مطلب، تم یہ بات سمجھ گئے ہو گے کہ سمت کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ انسان کی اپنی مفروضہ اور قیاس کردہ ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے کہ علم حضوری کے علاوہ کوئی علم موجود نہیں ہے.......... انسان کا حافظہ اتنی وسعت نہیں رکھتا کہ علم حضوری کی کسی ایک طرز کو بھی اپنے اندر محفوظ کر لے.............. چنانچہ لوح محفوظ سے پھیلنے والا نور انسان کو اطلاعات فراہم کرتا ہے تو اپنی غرض اور مطلب برآری کے نقطہ نظر سے کام لے کر ان اطلاعات کو ۹۹۹ فی ہزار تو رد کر دیتا ہے.................. ایک فی ہزار کو مسخ کر کے توڑ مروڑ کے حافظہ میں رکھ لیتا ہے............ یہی مسخ شدہ اور بگڑے ہوئے خدوخال اس کے تجربات کا مشاہدہ کا، عادت اور حرکات کا سانچہ بن جاتے ہیں۔ اب جتنی اطلاعات وہ اخذ کرتا ہے، ان ہی سانچوں میں ڈھلتی جاتی ہیں۔ یہ ہے انسان کا تمام کارنامہ اور اس کی متعین کردہ اور فرض کردہ سمتیں، فارمولے اور اصول۔ اس ہی خرافات کے بارے میں وہ بار بار یہ کہتا رہتا ہے کہ یہ ہے میرا تجربہ، یہ ہے مشاہدہ، یہ ہے علم طبیعی..................۔

تمہارے ذہن میں یہ بات آگئی کہ جو نور پوری کائنات میں پھیلتا ہے، اس میں ہر قسم کی اطلاعات ہوتی ہیں، جو کائنات کے ذرہ ذرہ کو ملتی ہیں.................۔ ان اطلاعات میں چکھنا، سونگھنا، سننا، دیکھنا، محسوس کرنا، خیال کرنا، وہم و گمان وغیرہ وغیرہ زندگی کا ہر شعبہ، ہر حرکت، ہر کیفیت کامل طرزوں کے ساتھ موجود ہوتی ہے۔

ان کو صحیح حالت میں وصول کرنے کا طریقہ صرف ایک ہے۔ انسان ہر طرز میں، ہر معاملہ میں، ہر حالت میں کامل استغنیٰ رکھتا ہو۔ مسخ کرنے والی اس کی اپنی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ جہاں مصلحت نہیں ہے وہاں استغنیٰ ہے، غیر جانبداری ہے اور اللہ کا شعار ہے۔ جب جو حرکت ہوتی ہے وہ پوری کائنات کو محیط ہے اور پوری کائنات میں عمل کرتی ہے..............

اس چیز کو پھر ایک دفعہ سمجھ لو۔ یہ کوئی باریک بات نہیں ہے صرف توجہ کی ضرورت

ہے۔

انسان کی ذاتی مصلحتیں اپنے لیے نور کی شعاعوں کو محدود کر لیتی ہیں۔ یہ محدود شعاعیں اپنا کائناتی عمل ترک نہیں کر سکتیں۔ وہ تو جاری رہتا ہے اب انسان کا ایک باطل تصور جو اس نے شعاعوں سے وابستہ کرلیا ہے، غلط امیدیں بن جاتا ہے۔ یہی ناکامی ہے۔ یہی انسانی مصیبت ہے.............سیدھی سادی بات ہے کہ جس نور کا تعلق ساری کائنات سے ہے وہ ایک فردواحد کے لیے کیسے مخصوص ہوسکتا ہے۔ انسان اگر ذاتی اغراض کی قید وبند میں مبتلا نہیں ہے تو ان شعاعوں کو پوری کائنات پر محیط دیکھتا اور محیط سمجھتا ہے۔ چنانچہ شعاعوں کا اور اس کے زاویہ نظر کا ایک خاص ارتباط قائم ہوجاتا ہے۔ یہ ارتباط وہ شے ہے جو اللہ کے قانون کے زیر اثر شعاعوں کے لیے محل توجہ ہے۔ اب اس کے مفاد کا تحفظ شعاعیں خود کرتی ہیں.............

اس کا یہ مطلب ہوا کہ اگر وہ کہے دن تو شعاعوں کو دن پیدا کرنا پڑے گا۔ اگر وہ کہے کہ رات تو شعاعوں کو رات کی تخلیق کرنی پڑے گی۔ اللہ کا شعار شعاعوں کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ وہ دو سمتیں پوری کریں۔ ایک کائنات کے لیے عمل کرنا، دوسرے اس فرد کے مفاد میں عمل کرنا جس نے ان شعاعوں سے ارتباط قائم کیا ہے۔

جس وقت حضرت اویس قرنیؓ اور حضرت عمرؓ کی ملاقات ہوئی تو حضرت عمرؓ نے حضرت اویس قرنیؓ سے درخواست کی تھی کہ آپ مجھے کچھ نصیحت کریں اس پر حضرت اویس قرنیؓ نے دو سوال کیے.............

۱۔ یا عمرؓ! آپ اللہ کو جانتے ہیں؟

انہوں نے جواب دیا "ہاں، میں اللہ کو جانتا ہوں"۔

۲۔ یا عمرؓ! اللہ بھی آپ کو جانتا ہے؟

جواب دیا "اللہ بھی مجھے جانتا ہے"۔

ان دونوں باتوں کا مطلب بالکل واضح ہے۔ صرف یہ کافی نہیں ہے کہ انسان

اللہ کی راہ میں قدم اٹھائے اور کام پورا ہو جائے۔وہاں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ قدم صرف اللہ کے لیے اٹھایا گیا ہے یا اور بھی مصلحتیں شامل ہیں۔اس میں جنت بھی ایک مصلحت ہے اور بہت سی نیکیاں بھی مصلحت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کسی کو اس وقت تک نہیں پہچانتا جب تک کہ مقصد صرف اللہ کی ذات نہ ہو..............اگر ایک آدمی کا مقصد جنت ہے تو جنت اسے جانتی ہے۔کہتی ہے''آؤ، لبیک!''یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ روحانیت میں اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا مقصد، کوئی دوسری غایت شریک کرنا کفر ہے۔..........................

تم نے جو جواب لکھا ہے اسکے الفاظ یہ ہیں۔

''میں آپ کے قدموں میں بیٹھا رو رہا ہوں اور کہہ رہا ہوں کہ بابا جی! میری اماں کہاں گئی۔میری اماں مجھے دلا دو''

اطلاع کے تین حصے ہیں۔ایک حصہ میری صورت ہے۔دوسرا حصہ تمہاری اپنی صورت ہے۔تیسرا حصہ اماں ہیں جو موجود نہیں ہیں۔اطلاع کا انکشاف ہوتا ہے۔یہاں سے کہ تم ایک جگہ ہو۔اس جگہ تمہاری حیثیت ایک ایسے سوال کی ہے، جو بہت سے سوالات کا مجموعہ ہے۔اس مجموعہ کا نام ہے اماں یعنی زندگی کے بہت سے راستے جس نقطہ سے شروع ہوتے ہیں اور انسان یہ طے نہیں کر سکتا کہ مجھے کن راستوں پر سفر کرنا ہے۔قدرتاً ماں کی پوزیشن یہی ہے کہ وہ زندگی کو ایک ایسے نقطے پر لا کر کھڑا کر دیتی ہے جہاں سے زندگی کا سفر شروع ہوتا ہے۔راستے لاشمار ہیں۔انسان کے سامنے یہ مرحلہ ہے کہ وہ جس راستہ پر سفر

شروع کرے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ راستہ غلط ثابت ہو جائے اور اسے ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑے۔یہاں وہ اپنی روح سے رہنمائی چاہتا ہے، لیکن روح کو کسی روپ میں متشکل دیکھتا ہے۔کیونکہ اسے ہر شے کو مشہود بنا کے دیکھنے کی عادت ہے۔جن دنوں میں تم نے یہ خواب دیکھا ہے ان دنوں میں ایسے خیالات کا زیادہ زور اور دباؤ رہا ہے۔مذکورہ بالا خواب ۱۹ جون کا ہے۔ذہن پر یہ کیفیت ہفتوں پہلے سے مسلط تھی اس کا جواب روح، ۷ جون کو

خواب میں دے چکی ہے۔ ۷ جون کا خواب تم نے اپنے الفاظ میں اس طرح دیکھا ہے:۔

''ایک آدمی نے مجھے آ کے کہا کہ قبلہ بدر صاحب نے تم کو بلایا ہے میں فوراً روانہ ہوگیا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک مکان میں داخل ہوگیا۔ دروازہ پر ایک عورت ملی اس عورت نے کہا کہ بدر صاحب اس کمرے میں تمہارا انتظار کررہے ہیں۔ کمرے میں داخل ہو کر میں نے دیکھا کہ بدر صاحب میز کے سامنے بیٹھے ہوئے کچھ کررہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر وہ کھڑے ہوگئے، میں نے سلام عرض کیا انہوں نے مجھے گلے سے لگایا اور میری زبان اپنے منہ میں لے کر زور سے دبائی جس سے میری آنکھ کھل گئی''۔

اس خواب میں مذکور سوالات کا پورا جواب موجود ہے۔ یعنی مستقبل میں اللہ کی طرف سے معاونت کا بندوبست ہوگا۔ غیب سے ایسا پروگرام بن جائے گا جو آئندہ زندگی کو کامیاب بنانے کا ضامن ہے۔ ہر چیز بروقت ہوتی جائے گی۔ واضح طور پر اس خواب میں سب چیزیں موجود ہیں۔ تمہارا بلایا جانا، درمیان میں کسی کی رہنمائی اور آخری منزل میں انسپائریشن Inspiration، (الہامی خیال) کی تکمیل غیب ہے۔ یہ سارے جواب خواب میں الگ الگ موجود ہیں۔ دنیا کے معاملات باقی رہے، وہ سارے کے سارے ان ہی کڑیوں کا ساز و سامان ہیں۔ ان کا بروقت موجود ہونا عمل میں آنا یقینی ہے۔

تم نے حسب ذیل مراقبہ لکھا ہے۔

رات کو سبق پڑھتے ہوئے سارا جسم زمین سے لگ جاتا ہے۔ مگر جب آگے چلنے کی کوشش کرتا ہوں تو گرنے لگتا ہوں۔ جب آپ کا تصور کرتا ہوں تو آپ اور ناظم آباد والا مکان میرے سامنے ہوتا ہے۔ مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں ناظم آباد میں ہوں یا ناظم آباد اور آپ میرے پاس آگئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا:

ھدی للمتقین۔ الذین یومنون بالغیب۔

یہ کتاب ان لوگوں کو رشنی دکھاتی ہے، جو اپنے اندر اللہ کے بارے میں ذوق رکھتے ہیں۔

غیب سے مراد وہ تمام حقائق ہیں، جو انسان کے مشاہدات سے باہر ہیں۔ وہ سب کے سب اللہ کی معرفت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایمان سے مراد ذوق ہے، ذوق وہ عادت ہے تلاش میں سرگرداں رہتی ہے۔ اس لیے نہیں کہ اسے کوئی معاوضہ ملے گا بلکہ صرف اس لیے کہ طبیعت کا تقاضا پورا کرے۔ متقی سے مراد وہ انسان ہے، جو سمجھنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتا ہے۔ ساتھ ہی بدگمانی کو راہ نہیں دیتا .... وہ اللہ کے معاملے میں اتنا محتاط ہوتا ہے کہ کائنات کا کوئی روپ اسے دھوکا نہیں دے سکتا .... وہ اللہ کو بالکل الگ سے پہچانتا ہے اور اللہ کے کاموں کو بالکل الگ سے جانتا ہے .... صحیح طور پر پہچاننے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر یہ ذوق موجود ہے۔ درحقیقت یہی ذوق لائف اسٹریم Life Stream (چشمہ حیات) ہے اس ہی سے زندگی کی بنا ہے .... انسان اس کو استعمال کرے یا نہ کرے، یہ اس کی اپنی مرضی اور مصلحت ہے۔

یہ ذوق ہی انسان کے اندر بستا ہے .... انسان خلاء ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد کیا ہے:۔

"میں نے انسان کو بجتی مٹی سے بنایا ہے" ....۔

یہاں مٹی کی نیچر Nature (فطرت) بیان کی ہے جو خلاء ہے۔ اب یہ بات تمہارے لیے سمجھنا بہت آسان ہے کہ ذوق میں نہ وزن ہوتا ہے، نہ ذوق کے لیے فاصلہ کوئی معنی رکھتا ہے۔ نہ ذوق زمین و آسمان کی حدود کا پابند ہے ....۔

نہ اسے وقت پابند بنا سکتا ہے۔ یہی ذوق چلتا پھرتا ہے یہ بات ضرور ہے کہ انسان اس سے اس وقت تک متعارف نہیں ہوتا جب تک اس سے تعارف حاصل نہ کرے۔ جب تعارف حاصل کر لیتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے یہی ذوق انسان ہے۔ یہ پوری کائنات میں آزاد ہے .... فرشتوں کا سربراہ ہے .... اللہ

کی بہترین صنعت ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور کائنات میں اللہ کا نائب ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ نہ وہ پیروں سے چلنے اور ہاتھوں سے پکڑنے کا پابند ہے نہ وہ آنکھوں سے دیکھنے اور کانوں سے سننے کا محتاج ہے۔

یہ ساری خرافات انسان نے آپ ہی تخلیق کی ہیں اور آپ ہی ڈھول بجاتا پھرتا ہے کہ ہائے میں تو بالکل مجبور ہوں۔تم یہ سوچو گے کہ کتنے ہی آدمی ہیں، جو اللہ تعالیٰ سے تعارف حاصل کر سکے وہ تو بہرصورت آزاد نہیں ہیں۔انہیں ہر معاملہ میں آزاد ہونا چاہیے۔ یہ صحیح ہے کہ وہ آزاد ہیں مگر ساتھ ہی وہ نوع انسانی کے معاشرے کی رسی میں بندھے ہوئے ہیں۔ہر دور میں اس ہی کمزوری نے ایسے لوگوں کی آزادی کو ادھورا رکھا ہے۔

جس کا نام زید ہے وہ اس ہی ذوق کا پیٹرن Pattern (طرز) ہے۔کوئی پیٹرن ساکت وصامت پنجرہ نہیں بلکہ بولتا، چلتا پھرتا، کھاتا پیتا سوچتا سمجھتا انسان ہے۔ فرش سے عرش تک اس کا ایک قدم ہے۔سوئی کا روزن اور آسمانوں کی کھلی فضا، ایک ستارہ سے دوسرے ستارے تک کا فاصلہ اس کے لیے ایک ہی معنی رکھتا ہے۔

وہ نہ کہیں رکتا ہے، نہ کھٹکتا ہے۔افسوس یہ ہے کہ وہ خود کو جانتا نہیں کہ میں کیا ہوں اور کائنات کیا ہے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نوع انسانی پر یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ انہوں نے نے ان تمام رازوں کو واشگاف کر کے رکھ دیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ نہ سمجھنا کہ یہ سب راز انہوں نے از خود منکشف کر دیئے تھے، بلکہ ان پر اللہ نے کھولے جن کو من وعن انہوں نے قرآن کی صورت میں ریکارڈ کرا دیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔انہوں نے ساری زندگی کی جفا کشی سہہ کر اس امانت کو نوع انسانی کے حوالے کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔نوع انسان نے جو قدر کی ہے، وہ ظاہر ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اللہ نے اس ہی علم کو کتاب کا علم فرمایا ہے۔ہر انسان اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، چاہے اس کا نام زید ہو، بکر ہو یا عمر ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تم نے لکھا ہے کہ چلنے کی کوشش کرتا ہوں تو گرنے لگتا ہوں۔یہ اس وجہ سے ہے کہ ابھی تم انسان سے اچھی طرح متعارف نہیں ہو جو حقیقی انسان ہے۔

تم یہ خط بغور پڑھنا۔اگر کوئی لفظ یا طرز بیان تمہیں مشکل محسوس ہو،اسے بار بار پڑھ کر سمجھ لینا۔رات کے وقت فرصت میں بیٹھ کر حرف بحرف اس خط کی نقل کرنا اور وہ نقل اپنی فائل میں محفوظ کر لینا۔اس خط کی نقل کرنا تمہارے لیے اشد ضروری ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ عبارتیں اور مفہوم اچھی طرح تمہارے حافظے میں منتقل ہو جائیں پھر اس نقل کا بار بار پڑھنا بھی ضروری ہے جب تم اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر کو بار بار پڑھنے میں آسانی محسوس کرو گے اور ذہن کو لفظوں کے معانی میں مرکوز رکھ سکو گے،میرے لکھے ہوئے لفظوں کو پڑھنے میں ذہن پر الگ سے جو بار پڑ سکتا ہے،اس بار سے تمہارا ذہن محفوظ رہے گا۔

سلسلہ کے سب بہن بھائی تمہیں یاد کرتے ہیں اور مزاج پوچھتے ہیں۔

بہت یاد سے

دعا گو

حسن اُخریٰ محمد عظیم

ایک شب،۱۹۔اگست ۱۹۶۳

(روحانی ڈائجسٹ شمارہ جنوری 1994ء)

کتاب تذکرہ قلندر بابا اولیاءؒ (مصنف حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی)

﴿ارشادات شہنشاہِ ہفت اقلیم حضرت بابا تاج الدین ناگپوری ہندوستان﴾

انسان فرشتہ اور جنّات

نظریہ رنگ ونور کے پیروکار حضرات اولیاء کرام کس طرح سوچتے ہیں اور ان کی فہم وفراست میں نور کس حد تک کام کرتا ہے، اس کے بارے میں حضرت قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں۔

میرے نانا تاج الدین ناگپوری خصوصی مسائل ہی میں نہیں بلکہ عام حالات میں بھی اپنی گفتگو کے اندر ایسے مرکزی نقطے بیان کر جاتے تھے، جو براہ راست قانون قدرت کی گہرائیوں سے ہم رشتہ ہیں۔ کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے ذہن سے تسلسل کے ساتھ سننے والوں کے ذہن میں روشنی کی لہریں منتقل ہو رہی ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ بالکل خاموش بیٹھے ہیں اور حاضرین من وعن ہر وہ بات اپنے ذہن میں سمجھتے اور محسوس کرتے تھے، جو نانا کے ذہن میں ہوتی تھی۔ یہ بات بالکل عام تھی کہ چند آدمیو ں کے ذہن میں کوئی بات آئی اور یکا یک نانا نے اس کا جواب دے دیا۔

مرہٹہ راجہ رگھوراؤ ان سے غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا۔ مہاراجہ مخفی علوم سے مس بھی رکھتا تھا اور اس کے اندر فیضان حاصل کرنے کی صلاحیت موجود تھی۔ ایک مرتبہ مہاراجہ نے سوال کیا۔

''بابا صاحب! ایسی مخلوق جو نظر نہیں آتی مثلاً فرشتہ یا جنات، خبر متواتر کی حیثیت رکھتی ہے۔ جتنی آسمانی کتابیں ہیں ان میں اس قسم کی مخلوق کے تذکرے ملتے ہیں۔ ہر مذہب میں بدروحوں کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ کہا گیا ہے لیکن عقلی اور علمی توجیہات نہ ہونے سے ذی فہم انسانوں کو سوچنا پڑتا ہے۔ وہ یہ کہتے ہوئے رکتے ہیں کہ ''ہم سمجھ گئے'' تجربات جو کچھ زبان زد ہیں، وہ انفرادی ہیں، اجتماعی نہیں۔ آپ اس مسئلہ پر کچھ ارشاد فرمائیں''

جس وقت یہ سوال کیا گیا، بابا تاج الدینؒ لیٹتے ہوئے تھے۔ ان کی نگاہ اوپر تھی۔ فرمانے لگے۔

''میاں رگھوراؤ! ہم سب جب سے پیدا ہوئے ہیں، ستاروں کی مجلس کو دیکھتے رہتے ہیں۔ شاید ہی کوئی رات ایسی ہو کہ ہماری نگاہیں آسمان کی طرف نہ اٹھتی ہوں۔ بڑے مزے کی بات ہے، کہنے میں یہی آتا ہے کہ ستارے ہمارے سامنے ہیں، ستاروں کو ہم دیکھ رہے ہیں، ہم آسمانی دنیا سے روشناس ہیں۔ لیکن ہم کیا دیکھ رہے ہیں اور ماہ وانجم کی کون سی دنیا سے روشناس ہیں۔ اس کی تشریح ہمارے بس کی بات نہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں، قیاس آرائی سے زیادہ نہیں ہوتا۔ پھر بھی سمجھتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں۔ زیادہ حیرتناک امر یہ ہے کہ جب ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ انسان کچھ نہ کچھ جانتا ہے تو یہ قطعاً نہیں سوچتے کہ اس دعوے کے اندر حقیقت ہے یا نہیں''۔

فرمایا ''جو کچھ میں نے کہا اسے سمجھو، پھر بتاؤ کہ انسان کا علم کس حد تک مفلوج ہے۔ انسان کچھ نہ جاننے کے باوجود اس کا یقین رکھتا ہے کہ میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ یہ چیزیں دور پرے کی ہیں۔ جو چیزیں ہر وقت انسان کے تجربے میں ہیں، ان پر بھی نظر ڈالتے جاؤ۔ دن طلوع ہوتا ہے۔ دن کا طلوع ہونا کیا شے ہے۔ ہمیں نہیں معلوم طلوع ہونے کا مطلب کیا ہے ہم نہیں جانتے۔ دن رات کیا ہیں؟ اس کے جواب میں اتنی بات کہہ دی جاتی ہے کہ یہ دن ہے۔ اس کے بعد رات آتی ہے۔ نوعِ انسانی کا یہی تجربہ ہے۔

میاں رگھوراؤ، ذرا سوچو کیا سنجیدہ طبیعت انسان اس جواب پر مطمئن ہو جائے گا؟ دن رات، فرشتے نہیں ہیں، جنات نہیں ہیں۔ پھر بھی وہ مظاہر ہیں جن سے ایک فردِ واحد بھی انکار نہیں کر سکتا۔ تم اتنا کہہ سکتے ہو کہ دن رات کو نگاہ دیکھتی ہے، اس لیے قائل یقین ہے۔ لیکن یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ نگاہ کے ساتھ فکر بھی کام کرتی ہے۔ اگر نگاہ کے ساتھ فکر کام نہ کرے تو زبان نگاہ کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتی۔ دراصل نگاہ اور فکر سارے کا سارا عمل تفکر ہے۔ نگاہ محض ایک گونگا ہیولی ہے۔ فکر ہی کے ذریعے تجربات عمل میں آتے ہیں تم نگاہ کو تمام حواس پر قیاس کر لو۔ سب کے سب گونگے، بہرے اور اندھے ہیں۔ تفکر ہی

حواس کو سماعت اور بصارت دیتا ہے۔ سمجھایہ جاتا ہے کہ حواس تفکر سے الگ کوئی چیز ہے حالانکہ تفکر سے الگ ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔انسان محض تفکر ہے۔فرشتہ محض تفکر ہے۔جن محض تفکر ہے۔علیٰ ہذا القیاس ہر ذی ہوش تفکر ہے۔

فرمایا کہ اس گفتگو میں ایک ایسا مقام آجاتا ہے کہ جہاں کائنات کے کئی راز منکشف ہو جاتے ہیں۔غور سے سنو! ہمارے تفکر میں بہت سی چیزیں ابھرتی رہتی ہیں۔ دراصل وہ باہر سے آتی ہیں۔انسان کے علاوہ کائنات میں اور جتنے تفکر ہیں،جن کا تذکرہ ابھی کیا گیا ہے۔فرشتے اور جنات۔ان سے انسان کا تفکر اسی طرح متاثر ہوتا رہتا ہے،جس طرح انسان خود اپنے تفکر سے متاثر ہوتا ہے۔قدرت کا چلن یہ ہے کہ وہ لا متناہی تفکر سے تناہی تفکر کو فیضان پہنچاتی رہتی ہے۔پوری کائنات میں اگر قدرت کا یہ فیضان جاری نہ ہو تو کائنات کے افراد کا یہ درمیانی رشتہ کٹ جائے۔ایک تفکر کا دوسرے تفکر کو متاثر کرنا بھی قدرت کے اس طرزِ عمل کا ایک جزو ہے۔انسان پابگل ہے۔جنات پابہ ہیولی ہیں،فرشتے پابہ نور۔یہ تفکر تین قسم کے ہیں اور تینوں کائنات ہیں۔اگر یہ تینوں مربوط نہ رہیں اور ایک تفکر کی لہریں دوسرے تفکر کو نہ ملیں تو ربط ٹوٹ جائے گا اور کائنات منہدم ہو جائے گی۔

ثبوت یہ ہے کہ ہمارا تفکر ہیولی اور ہیولی قسم کے تمام جسموں سے فکری طور پر روشناس ہے۔ساتھ ہی ہمارا تفکر نور اور نور کی ہر قسم سے بھی فکری طور پر روشناس ہے۔ حالانکہ ہمارے اپنے تفکر کے تجربات پابگل ہیں۔اب یہ بات واضح ہو گئی کہ ہیولی اور نور کے تجربات اجنبی تفکر سے ملے ہیں۔

عام زبان میں تفکر کو انا کا نام دیا جاتا ہے اور انا یا تفکر ایسی کیفیات کا مجموعہ ہوتا ہے،جن کو مجموعی طور پر فرد کہتے ہیں۔اسطرح کی تخلیق ستارے بھی ہیں اور ذرے بھی۔ ہمارے شعور میں یہ بات یا تو بالکل نہیں آتی یا بہت کم آتی ہے کہ تفکر کے ذریعے ستاروں ذروں اور تمام مخلوق سے ہمارا تبادلہ خیال ہوتا رہتا ہے۔ان کی انا یعنی تفکر کی لہریں ہمیں بہت کچھ دیتی ہیں اور ہم سے بہت کچھ لیتی بھی ہیں۔تمام کائنات اس قسم کے تبادلہ خیال کا ایک خاندان ہے۔مخلوق میں فرشتہ اور جنات ہمارے لیے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔تفکر کے

اعتبار سے ہمارے زیادہ قریب ہیں اور بتاطہ خیال کے لحاظ سے ہم سے زیادہ مانوس ہیں"۔

بابا تاج الدینؒ اس وقت ستاروں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کہنے لگے۔

"کہکشانی نظاموں اور ہمارے درمیان بڑا مستحکم رشتہ ہے۔ پے در پے جو خیالات ہمارے ذہن میں آتے ہیں وہ دوسرے نظاموں اور ان کی آبادیوں سے ہمیں وصول ہوتے رہتے ہیں۔ یہ خیالات روشنی کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں۔ روشنی کی چھوٹی بڑی شعاعیں خیالات کے لاشمار تصویر خانے لے کر آتی ہیں۔ ان ہی تصویر خانوں کو ہم اپنی زبان میں تو ہم، خیال، تصور اور تفکر وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔ سمجھایہ جاتا ہے کہ یہ ہماری اپنی اختراعات ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ تمام مخلوق کی سوچنے کی طرزیں ایک نقطہ مشترک رکھتی ہیں۔ وہی نقطہ مشترک تصویر خانوں کو جمع کر کے ان کا علم دیتا ہے۔ یہ علم نوع اور فرد کے شعور پر منحصر ہے۔ شعور جو اسلوب اپنا انا کی اقدار کے مطابق قائم کرتا ہے۔ تصویر خانے اس ہی اسلوب کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔

اس موقع پر یہ بتادینا ضروری ہے کہ تین نوعوں کے طرز عمل میں زیادہ اشتراک ہے۔ ان ہی کا تذکرہ آسمانی کتابوں اور قرآن پاک میں انسان، فرشتہ اور جنات کے نام سے کیا گیا ہے۔ یہ نوعیں کائنات کے اندر سارے کہکشانی نظاموں میں پائی جاتی ہیں۔ قدرت نے کچھ ایسا نظام قائم کیا ہے، جس میں یہ تین نوعیں تخلیق کا رکن بن گئی ہیں۔ ان ہی کے ذہن سے تخلیق کی لہریں خارج ہو کر کائنات میں منتشر ہوتی ہیں اور جب یہ لہریں معین مسافت طے کر کے معین نقطہ پر پہنچتی ہیں تو کائناتی مظاہر کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔

میں یہ کہہ چکا ہوں کہ تفکر، انا اور شخص ایک ہی چیز ہے۔ الفاظ کی وجہ ان میں معانی کا فرق نہیں کر سکتے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ انا، تفکر اور شخص ہیں کیا؟ یہ وہ ہستی ہیں جو لاشمار کیفیات کی شکلوں اور سراپا سے بنی ہیں، مثلاً بصارت، سماعت، تکلم، محبت، رحم، ایثار، رفتار، پرواز وغیرہ۔ ان میں ہر ایک کیفیت ایک شکل اور سراپا رکھتی ہے۔ قدرت نے ایسے بے حساب سراپا لے کر ایک جگہ اس طرح جمع کر دیئے ہیں کہ الگ الگ پرت ہونے کے باوجود ایک جان ہو گئے ہیں۔ ایک انسان کے ہزاروں جسم ہوتے ہیں۔ علیٰ ہذالقیاس

جنات اور فرشتوں کی بھی یہی ساخت ہے۔یہ تینوں ساخت اس لیے مخصوص ہیں کہ ان میں کیفیات کے پرت دوسرے انواع سے زیادہ ہیں۔کائنات کی ساخت میں ایک پرت بھی ہے اور کثیر تعداد پرت بھی ہیں۔تاہم ہر نوع کے افراد میں مساوی پرت ہیں۔

انسان لاشمار سیاروں میں آباد ہیں اور ان کی قسمیں کتنی ہیں اس کا اندازہ قیاس سے باہر ہے۔یہی بات فرشتوں اور جنات کے بارے میں کہہ سکتے ہیں۔انسان ہوں، جنات ہوں یا فرشتے، ان کے سراپا کا ہر فرد ایک پائندہ کیفیت ہے۔کسی پرت کی زندگی جلی ہوتی ہے یا خفی۔جب پرت کی حرکت جلی ہوتی ہے تو شعور میں آجاتی ہے۔خفی ہوتی ہے تو لاشعور میں رہتی ہے۔جلی حرکت کے نتائج کو انسان اختراع و ایجاد کہتا ہے لیکن خفی حرکت کے نتائج شعور میں نہیں آتے۔حالانکہ وہ زیادہ عظیم الشان اور مسلسل ہوتے ہیں۔یہاں یہ راز غور طلب ہے کہ ساری کائنات خفی حرکت کے نتیجے میں رونما ہونے والے مظاہر سے بھری پڑی ہے۔البتہ یہ مظاہر مخفی انسانی لاشعور کی پیداوار نہیں ہیں۔انسان کا خفی کائنات کے دور دراز گوشوں سے مسلسل ربط قائم نہیں رکھ سکا۔اس کمزوری کی وجہ سے نوع انسان کے اپنے خصائل ہیں۔اس نے اپنے تفکر کو کس مقصد کے لیے پابگل کیا ہے، یہ بات اب تک نوع انسانی کے شعور سے ماوراء ہے۔کائنات میں جو تفکر کام کر رہا ہے، اس کا تقاضا کوئی ایسی مخلوق پورا نہیں کر سکی جو زمانی، مکانی فاصلوں کی گرفت میں بے دست و پا ہو۔اس شکل میں ایسی تخلیق کی ضرورت تھی جو اس کے خالی گوشوں کو مکمل کرنے کی طاقت رکھتی ہو۔چنانچہ کائناتی تفکر سے جنات اور فرشتوں کی تخلیق عمل میں آئی تاکہ خلا پر ہو جائے۔فی الواقع انسانی تفکر سے وہ تمام مظاہر رونما نہیں ہو سکے جن سے کائنات کی تکمیل ہو جاتی۔

کائنات زمانی مکانی فاصلوں کا نام ہے۔یہ فاصلے انا کی چھوٹی بڑی مخلوط لہروں سے بنتے ہیں۔ان لہروں کا چھوٹا بڑا ہونا ہی تغیر کہلاتا ہے۔دراصل زمان اور مکان دونوں اسی تغیر کی صورتیں ہیں۔دخان جس کے بارے میں دنیا کم جانتی ہے۔اس مخلوط کا نتیجہ اور مظاہر کی اصل ہے۔یہاں دخان سے مراد دھواں نہیں ہے۔دھواں نظر آتا ہے اور دخان ایسا دھواں ہوتا ہے جو نظر نہیں آتا۔انسان مثبت دخان کی اور جنات منفی کی پیداوار ہیں۔رہا

فرشتہ،ان دونوں کے مخلص سے بنا ہے۔عالمین کے یہ تین اجزائے ترکیبی غیب وشہود کے بانی ہیں۔ان کے بغیر کائنات کے گوشے امکانی تموّج سے خالی رہتے ہیں۔نتیجہ میں ہمارا شعوراورلاشعور حیات سے دور نابود میں گم ہو جاتا ہے۔ان تین نوعوں کے درمیان عجیب و غریب کرشمہ برسرعمل ہے۔مثبت دخان کی ایک کیفیت کا نام مٹھاس ہے۔اس کیفیت کی کثیر مقدار انسانی خون میں گردش کرتی رہتی ہے۔دخان کی منفی کیفیت نمکین ہے۔اس کیفیت کی کثیر مقدار جنات میں پائی جاتی ہے۔ان ہی دونوں کیفیتوں سے فرشتے بنے ہیں۔اگرایک انسان میں مثبت کیفیت کم ہو جائے اور منفی بڑھ جائے تو انسان میں جنات کی تمام صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں اوروہ جنات کی طرح عمل کرنے لگتا ہے۔اگر کسی جن میں مثبت کیفیت بڑھ جائے اور منفی کیفیت کم ہو جائے تو اس میں ثقل وزن پیدا ہو جاتا ہے۔فرشتہ پر بھی یہی قانون نافذ ہے۔اگرمثبت اورمنفی کیفیات معین سطح سے اوپر آجائیں تو مثبت کے زور پر وہ انسانی صلاحیت پیدا کرسکتا ہے اور منفی کے زور پر جنات کی۔بالکل اسی طرح اگر انسان میں مثبت اور منفی کیفیات معین سطح سے کم ہو جائیں تو اس سے فرشتہ کے اعمال صادر ہونے لگیں گے۔

طریق کار بہت آسان ہے۔مٹھاس اورنمک کی معین مقداریں کم کرکے فرشتوں کی طرح زمانی مکانی فاصلوں سے وقتی طور پر آزاد ہوسکتے ہیں۔محض مٹھاس کی مقدار کم کرکے جنات کی طرح زمانی مکانی فاصلے کم کرسکتے ہیں،لیکن ان تدبیروں پر عمل پیرا ہونے کے لیے کسی روحانی انسان کی راہنمائی اشد ضروری ہے۔

قانون:

یہ قانون بہت فکر سے ذہن نشین کرنا چاہیے کہ جس قدر خیالات ہمارے ذہن میں دور کرتے رہتے ہیں،ان میں سے بہت زیادہ ہمارے معاملات سے غیر متعلق ہوتے ہیں۔ان کا تعلق قریب اوردور کی ایسی مخلوق سے ہوتا ہے جو کائنات میں کہیں نہ کہیں موجود ہو۔اس مخلوق کے تصورات لہروں کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں۔جب ہم ان تصورات کا جوڑ اپنی زندگی

سے ملنا چاہتے ہیں تو ہزار وکوشش کے باوجود ناکام رہ جاتے ہیں۔ انا کی جن لہروں کا ابھی تذکرہ ہو چکا ہے ان کے بارے میں بھی چند باتیں فکر طلب ہیں۔ سائنسدان روشنی کو زیادہ سے زیادہ تیز رفتار قرار دیتے ہیں لیکن وہ اتنی تیز رفتار نہیں ہے کہ زمانی مکانی فاصلوں کو منقطع کردے۔ البتہ انا کی لہریں لاتناہیت میں بیک وقت ہر جگہ موجود ہیں۔ زمانی مکانی فاصلے ان کی گرفت میں رہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر یوں کہہ سکتے ہیں کہ ان لہروں کے لیے زمانی مکانی فاصلے موجود ہی نہیں ہیں۔ روشنی کی لہریں جن فاصلوں کو کم کرتی ہیں انا کی لہریں ان فاصلوں کو بجائے خود موجود نہیں جانتیں۔

انسانوں کے درمیان ابتدائے آفرینش سے بات کرنے کا طریقہ رائج ہے۔ آواز کی لہریں جن کے معنی معین کر لیے جاتے ہیں، سننے والوں کو مطلع کرتی ہیں۔ یہ طریقہ اس ہی بالکل نقل ہے جو انا کی لہروں کے درمیان ہوتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ گونگا آدمی اپنے ہونٹوں کی جنبش سے سب کچھ کہہ دیتا ہے اور سمجھنے کا اہل سب کچھ سمجھ جاتے ہیں۔ یہ طریقہ بھی پہلے طریقہ کا عکس ہے۔ جانور آواز کے بغیر ایک دوسرے کو اپنے حال سے مطلع کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی انا کی لہریں کام کرتی ہیں۔ درخت آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ یہ گفتگو صرف آمنے سامنے کے درختوں میں ہی نہیں ہوتی بلکہ دور دراز ایسے درختوں میں بھی ہوتی ہے جو ہزاروں میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ یہی قانون جمادات میں بھی رائج ہے۔ کنکروں، پتھروں، مٹی کے ذروں میں من وعن اسی طرح تبادلہ خیال ہوتا ہے۔

انبیاء اور روحانی طاقت رکھنے والے انسانوں کے کتنے ہی واقعات اس کے شاہد ہیں۔ ساری کائنات میں ایک ہی لاشعور کار فرما ہے۔ اس کے ذریعے غیب و شہود کی ہر لہر دوسری لہر کے معنی سمجھتی ہے۔ چاہے یہ دونوں لہریں کائنات کے دو کناروں پر واقع ہوں۔ غیب و شہود کی فراست و معنویت کائنات کی رگ جاں ہے۔ ہم اس رگ جاں میں جو خود ہماری اپنی رگ جاں بھی ہے تفکر اور توجہ کر کے اپنے سیارے اور دوسرے سیاروں کے آثار و احوال کا انکشاف کر سکتے ہیں۔ انسانوں اور حیوانوں کے تصورات، جنات اور فرشتوں کی حرکات و سکنات، نباتات و جمادات کی اندرونی تحریکات معلوم کر سکتے ہیں۔

(کتاب نظریہ رنگ و نور۔ مصنف حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی)

تعارف

خاندانی نام... سید احمد فہیم کاظمی المعروف سید فہیم رضا چشتی الکاظمی

قلمی نام... فہیم کاظمی

تعلیم...پی ایچ ڈی (اُردو لٹریچر)

ماہر علم الانساب

چیئرمین فروغ ادب فاؤنڈیشن پاکستان

چیئرمین خواجہ غریب نوازؒ فاؤنڈیشن پاکستان

منیجنگ ڈائریکٹر تہذیب انٹرنیشنل پبلیکیشنز

طبع شدہ تصانیف

1۔سلطان الہند 2013 پہلا ایڈیشن دوسرا

ایڈیشن 2014

2۔کربِ شام 1999

3۔شام سے پہلے 2000

زیرِ طبع تصانیف:

1۔شجرۂ نور المعروف کوثر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

2۔مودت (شاعری)

3۔مسنون دعائیں